

اُمت مسلمہ کے موجودہ مسائل

اور اُن کا حل

سیرت طیبہ کی روشنی میں

www.KitaboSunnat.com

تالیف

ڈاکٹر صہیب حسن

یکے از مطبوعات

جمعیت اہل حدیث لندن

مسجد توحید

80 High Road, Leyton, London E15 2BP

م-



معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مَجْلِسُ التَّحْقِیْقِ الْإِسْلَامِیِّ کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 www.KitaboSunnat.com

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

پیش لفظ

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين
محمد وعلى آله وصحبه أجمعين

(امت مسلمہ کے موجودہ مسائل اور ان کا حل سیرت طیبہ کی روشنی میں)

در اصل یہ مقالہ بہاولپور اسلامی یونیورسٹی کی اس سائل کے اوائل میں ہونے والی ایک کانفرنس کے لیے تحریر کیا گیا تھا اور بروقت ارسال بھی کر دیا گیا تھا۔

میں ادارہ محدث لاہور اور محترم عبدالرحمن مدنی کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس مقالہ کو محدث کی زینت بنا کر طاق نسیاں ہونے سے بچا لیا۔

مسجد توحید کے بیس سال مکمل ہونے پر سالانہ جلسہ کا انعقاد ہم سب کے لیے ایک لمحہ مسرت ہے، اس بابرکت موقع پر یہ مقالہ حاضرین اور قارئین کی نذر کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے قوی امید ہے کہ یہ تحریر باعث افادہ عام ہوگی اور مؤلف کے لیے باعث ثواب اور توشعہ آخرت، وما ذلک علی اللہ بعزيز۔

ڈاکٹر صہیب حسن

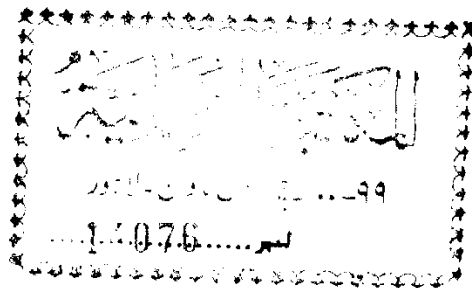
صدر

مسجد و مدرستہ توحید ریسٹ

۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ

برطانیق ۴ جولائی ۲۰۰۴ء

1/1/1



دور حاضر میں امت مسلمہ کے مسائل اور حیات طیبہ ﷺ کی روشنی میں ان کے حل

آج سے ایک سو سال قبل امت مسلمہ نوآبادیاتی نظام میں جکڑی، بے بسی اور بیچارگی کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ آج ۵۷/۵۸ آزادی ملک کی شکل میں قوت، عددی اکثریت اور قدرتی وسائل سے مالا مال ہونے کے باوجود ذلت، عاجزی اور درماندگی میں اسی مقام پر کھڑی ہوئی ہے جہاں سو سال قبل تھی۔ سقوط بیت المقدس (۱۹۶۷ء) سے شروع ہو کر کابل اور بغداد پر دشمنان اسلام کی یلغار مسلمانوں کے لیے تازیانہ ہے۔ آئیے ان اسباب کا جائزہ لیا جائے جو اس ناگفتہ بہ حالت تک پہنچنے کا باعث بنے اور پھر اس راستے کی نشاندہی کی جائے جو اندھیروں کی ان تاریک گلیوں سے روشنی کی طرف لے جاتا ہے۔ ہماری بات قرآن مجید، سیرت مطہرہ اور اقوال نبی ﷺ تک محدود رہے گی کہ بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اخلاق و کردار دیکھنا ہو تو قرآن کا مطالعہ کر لو۔ خود نبی ﷺ نے وحی الہی سے رہنمائی حاصل کی اور پھر قیامت تک کے لئے امت کے لئے اسوۂ حسنہ قرار دیے گئے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا﴾ (سورۃ احزاب: ۲۱)

”یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ موجود ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور کثرت اللہ کو یاد کرتا ہے۔“

www.KitaboSunnat.com

زوال امت کے اسباب

امت کے اسباب زوال پر نظر ڈالیے تو ان چند حقائق سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی۔

۱۔ سنت الہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت، نبی ﷺ کے فرامین سے روگردانی اور گناہوں کی کثرت مصائب کے نزول کا سبب بنتی ہیں۔

جنگ احد میں نبی ﷺ بنفس نفیس موجود ہیں، لیکن اس کے باوجود جیتی ہوئی جنگ شکست میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

وہ اس لیے کہ نبی ﷺ کے ایک حکم کی مخالفت ہوئی۔ آپ ﷺ نے پہاڑ کے عقب میں ایک گھاٹی پر تیس کے قریب تیر انداز مقرر کیے تھے اور ہدایت کی تھی کہ میدان جنگ کا نقشہ کچھ بھی ہو، ہمارے اوپر جیسے بھی حالات آئیں، تم کسی حالت میں اس گھاٹی سے ہٹنا نہیں۔ جنگ کے آغاز میں مسلمانوں کا پلہ بھاری دکھائی دیا تو انہی تیر اندازوں میں سے چند حضرات نے اپنے امیر عبد اللہ بن جبیر سے مطالبہ کیا کہ انہیں بھی میدان جنگ میں جانے کی اجازت دی جائے تاکہ بھگوڑے کفار کا مال غنیمت ہاتھ میں آئے۔ امیر نے حکم نبوی یاد دلایا، لیکن ان جنگجوؤں کی اکثریت پر 'حب عاجلہ' غالب رہی۔ جوں ہی انہوں نے گھاٹی کو چھوڑا، کفار کی طرف سے خالد بن ولید نے اچانک حملہ کر دیا۔ بچے کچھے تیر اندازوں کو بآسانی مغلوب کر لیا اور اس طرح آنحضور ﷺ پر عقب سے حملہ کر کے مسلمانوں کی جیتی ہوئی بازی کو شکست میں تبدیل کر دیا۔

مسلمان حیران اور سراسیمہ ہیں کہ یہ کیسے ہو گیا! جواب وحی الہی میں انہیں یاد دلایا جا رہا ہے:

﴿وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَغَدَهُ إِذْ تَحْسُرُوهُمْ بِإِذْنِهِ حَتَّىٰ إِذَا فُشِلْتُمْ وَتَنَارَ غَتُّمُ فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا أَرَاكُمْ مَا تَجْبُونَ، مِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ، وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْكُمْ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾ (آل عمران: ۱۵۲)

”اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا، جبکہ تم اس کے حکم سے انہیں کاٹ رہے تھے، یہاں تک کہ جب تم نے پست ہمتی اختیار کی اور کام میں جھگڑنے لگے اور نافرمانی کی، اس کے بعد کہ اس نے تمہاری چاہت کی چیز تمہیں دکھادی۔ تم میں سے بعض دنیا چاہتے تھے اور بعض کا ارادہ آخرت کا تھا اور پھر اس نے تمہیں ان سے پھیر دیا تاکہ تم کو آزمائے اور یقیناً اس نے تمہاری لغزش سے درگزر فرمایا اور ایمان والوں پر اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔“

اور پھر فرمایا:

﴿أَوْ لَمَّا أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُمْ مِنْهَا فَلَنْتُمْ أَنِّي هَذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (آل عمران: ۱۶۵)

”(کیا بات ہے) کہ جب تمہیں ایک ایسی تکلیف پہنچی کہ تم اس جیسی دو چند پہنچا چکے تو یہ کہنے لگے کہ یہ کہاں سے آگئی؟ آپ کہہ دیجیے کہ یہ خود تمہاری طرف سے ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔“

اسی سنت الہی کو سورہ شوریٰ میں ان الفاظ میں بتایا:

﴿وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فِيمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ﴾ (الشوری: ۳۰)

”تمہیں جو کچھ مصیبتیں پہنچتی ہیں وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوت کا بدلہ ہے اور وہ تو بہت سی باتوں سے درگزر فرماتا ہے۔“

۲۔ اس بات کا خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان ایسا کوئی تعلق نہیں ہے کہ جس کی پاسداری کرنا اس کے لیے ضروری ہو اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے بندوں سے ایسا کوئی غیر مشروط وعدہ کیا ہے جس کی بنا پر ہر حالت میں اللہ پر ان کی مدد لازم ہو۔ جو بھی وعدہ ہے وہ مشروط ہے:

﴿إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ﴾ (سورہ محمد: ۷)

”اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔“

﴿وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ (آل عمران: ۱۳۹)

”تم نہ سستی کرو اور نہ ٹمگیں ہو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایماندار ہو۔“

اور جس آیت سے ایسی مدد کا لازمی آنا سمجھا جاسکتا ہے، وہ بھی ایمان سے مشروط ہے۔

﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (الروم: ۴۷)

”ہم پر مومنوں کی مدد کرنا لازم ہے۔“

بلکہ اس بات کو واضح کر دیا کہ ظلم و سرکشی کی بنا پر جو عتاب و عقاب نازل ہوتا ہے تو پھر وہ بلائے عام بن جاتا ہے:

﴿وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً﴾ (الانفال: ۲۵)

”اور تم ایسے وبال سے بچو کہ جو خاص کر انہی لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں سے ظلم کے مرتکب ہوئے ہیں۔“

حوادثِ زمانہ کے وقت یہ سنتِ الہی بھی پیش نظر رہے جو اکثر لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل رہتی ہے۔

﴿أَوْ لَا يَسْرِوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ يَذْكُرُونَ﴾

(التوبہ: ۱۲۶)

”اور کیا ان کو نہیں دکھائی دیتا کہ یہ لوگ ہر سال ایک بار یا دو بار کسی نہ کسی آفت میں پھنستے رہتے ہیں۔ پھر بھی نہ

توبہ کرتے ہیں اور نہ نصیحت قبول کرتے ہیں۔“

گویا اللہ تعالیٰ آزمائشوں کے ذریعہ توبہ اور نصیحت و عبرت حاصل کرنے کا موقع عطا کرتے رہتے ہیں، لیکن پھر بھی

اگر اصلاح احوال کی کوشش نہ کی جائے، بگاڑ کوسدھارا نہ جائے، غلط کار لوگوں کے ہاتھوں کو پکڑا نہ جائے تو پھر بد بختی کا شکوہ کرتے رہنا بجا نہ ہوگا۔

احادیث نبویہ کی روشنی میں اسباب زوال امت: اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم کرنے اور بدکاروں کا ہاتھ پکڑنے کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ یہ تمثیل بیان کرتے ہیں۔ نعمان بن بشیر روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والوں اور اس میں لا پرواہی کرنے والوں کی مثال ایسی ہے جیسے کچھ لوگوں نے سمندری جہاز میں جگہ حاصل کرنے پر قاعد اندازی کی، کچھ لوگوں کو اوپر کی منزل (عرشہ) پر اور کچھ لوگوں کو نچلے حصہ میں جگہ ملی۔ نچلی منزل والے لوگ جب پانی بھرنے کے خواہشمند ہوتے تو اوپر والوں پر سے گزرتے۔ اس پر عرشہ والے کہتے: ہم تمہیں اس بات کی اجازت نہیں دیں گے کہ تم ہمیں برابر تکلیف پہنچاتے رہو، اس پر نچلی منزل والوں نے کہا: کیوں نہ ہم اپنے حصہ میں سوراخ کر لیں اور اوپر والوں کو تکلیف نہ دیں۔ اگر (کشتی کے مسافرین) انہیں اپنے ارادے پر عمل کرنے دیں تو سب کے سب ہلاک ہو جائیں گے، لیکن اگر ان سب کا ہاتھ پکڑ لیں تو سب کے سب نجات پا جائیں گے۔“ ۳

۳۔ امت مسلمہ کی زبوں حالی کا ایک نقشہ اس حدیث میں کھینچا گیا ہے جس کے راوی ثوبان ہیں اور جس کے آخر میں وہ سب سبھی بتلادیا گیا ہے جو اس ذلت و رسوائی کا باعث بنا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”عنقریب ایک وقت آئے گا جب دوسری قومیں اکٹھی ہو کر تم پر ٹوٹ پڑیں گی جس طرح کھانے والے دسترخوان پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ کسی نے پوچھا: کیا ہم اس وقت قلیل تعداد میں ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: نہیں تمہاری تعداد تو بہت زیادہ ہوگی لیکن تم سیلاب کے اوپر بننے والے خس و خاشاک کی مانند ہو گے، اللہ تمہارے دشمن کے سینوں سے تمہارا رعب چھین لے گا اور تمہارے دلوں میں وہن ڈال دے گا۔ پوچھا گیا: اللہ کے رسول یہ وہن کیا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: ”دنیا کی محبت اور موت (یعنی شہادت) سے نفرت“ ۴

۴۔ اگر ایک طرف حدیث ثوبان میں اس امت کی حالت ضعف کی تصویر کھینچی گئی ہے تو یہی ثوبان اس حدیث کے بھی راوی ہیں جس میں امت کے عز و افتخار کو بیان کیا گیا ہے، لیکن آخر میں ایک ایسی حقیقت بھی بیان کر دی گئی ہے جو اب ایک امر واقعہ بن چکی ہے۔ اس حدیث کے معانی کو ذہن نشین کرنے کے لیے ہم اسے سولہ جملوں کی تقطیع کے

ساتھ بیان کرتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

۱- اللہ نے میرے لیے زمین کو سمیٹ دیا یہاں تک کہ میں نے اس کے مشرق و مغرب کو دیکھ لیا۔

۲- میری امت کی حکومت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک کا علاقہ مجھے سمٹ سٹا کر دکھایا گیا۔

۳- اور مجھے دفن کرنے دیے گئے ہیں سرخ و سپید۔

۴- اور میں نے اپنی امت کی خیر خواہی کے لیے اپنے رب سے مانگا کہ اس امت کو کسی عمومی قحط سے تباہ نہ کیا جائے۔

۵- اور ان پر انہی کے سوا باہر سے ایسا دشمن مسلط نہ کیا جائے جو انہیں جڑ سے اکھاڑ پھینکے۔

۶- اور میرے رب نے کہا: اے محمد! میں جب کسی بات کا فیصلہ کر لیتا ہوں تو اسے پلٹا نہیں جاسکتا۔

۷- میں نے تمہاری یہ بات مان لی کہ میں تیری امت کو ایک عمومی قحط سے ہلاک نہیں کروں گا۔

۸- اور یہ کہ میں ان کے سوا (باہر سے) ایسا دشمن ان پر نہیں مسلط کروں گا جو انہیں جڑ سے اکھاڑ پھینکے، چاہے دنیا کے تمام لوگ ہی ان کے خلاف نہ اٹھ کھڑے ہوں۔

۹- البتہ یہ ہوگا کہ یہ آپس میں ایک دوسرے کو ہلاک کریں گے اور ایک دوسرے کو قیدی بنائیں گے۔

۱۰- اور میں اپنی امت پر گمراہ قسم کے اماموں سے خائف ہوں۔

۱۱- اور ایک دفعہ ان پر تلوار چل پڑی تو قیامت تک کے لیے رفع نہ ہوگی۔

۱۲- اور قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ میری امت کا ایک گروہ مشرکین سے نہ مل جائے گا۔

۱۳- اور یہاں تک کہ میری امت کے کچھ گروہ بتوں کی پوجا شروع کر دیں گے۔

۱۴- اور یہ کہ میری امت میں تمیں جھوٹے ہوں گے جن میں سے ہر ایک دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے۔

۱۵- اور میں آخری نبی ہوں میرے بعد اور کوئی نبی نہیں۔

۱۶- اور میری امت میں ایک گروہ ہمیشہ رہے گا جو حق پر قائم رہے گا، نصرت اس کے شامل حال ہوگی، انہیں چھوڑ کے

بھاگ جانے والے یا ان کی مخالفت کرنے والے انہیں نقصان نہ پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آجائے گا۔

آنحضور ﷺ کی وفات تک صرف جزیرہ عرب حلقہ بگوش اسلام ہوا تھا اور پھر چودہ صدیوں میں اسلام دنیا کے

کونے کونے تک پہنچ گیا اور چونکہ اسلام کا عروج جاری ہے اس لیے وہ وہاں وہاں پہنچے گا جہاں ابھی اسے پہنچنا ہے۔

سرخ و سپید خزانے، رومی اور فارسی حکومتوں کا مسلمانوں کی قلمرو میں داخل ہونے کا اشارہ تھا جو حضرت عمرؓ کے

زمانے میں پورا ہو گیا اور پھر یہ امت صد با حوادث کے بعد بھی اسی طرح قائم و دائم ہے، قوم نوح یا عاد و ثمود کی طرح صفیہ ہستی سے ناپید نہیں ہوئی اور نہ ہی ماضی کے تاتار، منگول اور صلیبی اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود اسے ملیا میٹ کر سکے اور نہ ہی حال کے چنگیز اور ہلاکوشا، اللہ اس امت کا کچھ بگاڑ سکیں گے۔

البتہ ہسپانیہ میں مسلم حکومت کا خاتمہ، دولت عثمانیہ کا زوال، عصر حاضر میں صورت حال فلسطین، ایران عراق جنگ اور پھر عراق کی کویت پر یلغار آپس کی خانہ جنگیوں، نازیروں اور ناعاقبت اندیشیوں کا شاخسانہ ہے جو اہل بصیرت سے پوشیدہ نہیں۔

اس حدیث میں بیان کردہ اکثر پیشگوئیاں پوری ہو چکی ہیں اور باقی پوری ہو کر رہیں گی۔

۵- حدیث ثوبان سے ایک دم آگے چلیں تو سورہ نور میں اس امت کے لیے اختلاف فی الارض، تمکین دین اور حالت امن کی جو بشارت دی گئی ہے وہ اسی آیت کے آخر میں دی گئی شرط کے تحقق ہونے پر ماضی میں بھی پوری ہوئی رہی ہے اور مستقبل کے لیے بھی نوید جانفزائی کی حیثیت رکھتی ہے:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا، يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ (نور: ۵۵)

”تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے ہیں اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکا ہے کہ انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا، جیسا کہ ان لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے اور یقیناً ان کے لیے ان کے اس دین کو مضبوطی کے ساتھ محکم کر کے جمادے گا جسے ان کے لیے وہ پسند فرما چکا ہے اور ان کے اس خوف و خطر کو وہ امن و امان سے بدل دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھیرائیں گے، اس کے بعد بھی جو لوگ ناشکری کریں وہ یقیناً فاسق ہیں۔“

اس آیت میں عظیم معافی پنہاں ہیں جو عصر حاضر کی تحریکات کے لیے نقش راہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور جن سے صرف نظر کرنا گویا اللہ تعالیٰ کی مدد کو اپنے سے دور کرنا ہے۔

زمین میں خلافت..... اللہ کا انعام ہے نہ کہ اصل غایت

۱- اختلاف فی الارض اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے جو آیت میں دی گئی شرط کے تحقق ہونے پر لازماً واقع ہوگا، لیکن یہ

غایت یا مقصد نہیں ہے۔ انسانیت کی غایت وہی ہے جو اس آیت کے آخر میں بتائی گئی ہے اور جسے واضح طور پر اس آیت کریمہ میں بتایا گیا ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ، مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعَمُونَ، إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ﴾ (الذاریات: ۵۸ تا ۶۵)

میں نے جنات اور انسانوں کو محض اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں، نہ میں ان سے روزی چاہتا ہوں، نہ میری یہ چاہت ہے کہ یہ مجھے کھلائیں۔ اللہ تعالیٰ تو خود ہی سب کا روزی رساں، تو انائی والا، زور آور ہے۔“
اس وعدہ الہی کے سب سے پہلے مصداق اللہ کے رسول ﷺ تھے، کہاں مکہ کی سرزمین پر تنہا تو حید الہی کا نعرہ لگانے والا آمنہ کلال، جس کے خون کے درپے تمام کفار مکہ تھے اور کہاں وہ عظمت و سطوت کہ جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو سارے جزیرہ عرب پر ان کا جھنڈا سر بلند تھا۔ دسین اسلام گھر گھر داخل ہو چکا تھا اور سرزمین عرب امن کا گوارہ بن چکی تھی۔

اس کے دوسرے مصداق صحابہؓ کی وہ صادق جماعت تھی جنہوں نے خلفائے راشدین کی سرپرستی میں دعوت حق کو مشرق و مغرب تک پھیلا دیا اور اپنے وقت کی دو عظیم سلطنتوں یعنی روم و فارس کو شکست سے دوچار کیا اور تثلیث و تجوید کے ویرانوں کو تو حید کے خزانے سے مالا مال کر دیا۔

یہ اس لیے ممکن ہو سکا کہ یہ جماعت حقہ اللہ تعالیٰ کی تو حید کو پھیلانے کے لیے اور شرک کے قلعوں کو مسمار کرنے کے لیے اٹھی تھی۔ ان کے عزم صادق، جذبہ وحدانیت اور بندگی رب کے سامنے شرک کے اپنی قلعے ریت کی دیوار ثابت ہوئے۔ اور پھر چشم فلک نے بار بار یہ نظارہ دیکھا کہ جب بھی مسلمان خالص اللہ کے بھروسہ پر اعداء اسلام کے سامنے کھڑے ہوئے فتح و نصرت ان کی قدم بوی کرتی رہی۔ اور اس کے شاہد ہیں صلاح الدین ایوبی بمقابلہ صلیبی (معرکہ حطین ۱۱۸۷ء)، محمد الفاتح بمقابلہ بازنطینی سلطنت (فتح قسطنطنیہ ۱۴۵۱ء) احمد شاہ ابدالی بمقابلہ مرہٹے (معرکہ پانی پت ۱۷۶۱ء) اور بے شمار دوسرے معرکے جو کفر پر حق کی بالادستی قائم کرتے رہے۔

۲۔ خلافت الہی کا نفاذ اسلام کے مجموعی نظام کا ایک حصہ تھا نہ کہ غایت، لیکن عصر حاضر کی جن جن تحریکوں نے اسے غایت کے طور پر اپنایا، انہیں کہیں نہ کہیں شریات سے صرف نظر کرنے یا اس کے ساتھ سمجھوتہ کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ نتیجہ ع نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم!

ہمارا مدعا واضح ہے کہ غایت کو غایت رکھا جائے اور وعدے کو وعدہ۔

ایک طالب علم کا کام ہے کہ وہ خوب محنت سے پڑھائی کرے، کتابوں کو حرز جاں بنائے تاکہ امتحان میں پاس ہو۔ استاد نے اول آنے والے کے لیے انعام کا وعدہ کیا ہے، وہ اسے مل کر رہے گا اگر اس نے اس کا استحقاق پیدا کر لیا۔ لیکن یہ کہ طالب علم نہ پڑھائی کرتا ہے اور نہ ہی امتحان میں پاس ہونے کی تگ و دو بلکہ اس فکر میں رہتا ہے کہ انعام کو کسی طرح استاد کے ہاتھ سے اچک لوں تو شاید دنیا کی حد تک کوئی طالب علم ایسا کر گزر بھی سکتا ہے، گو نیک کام نہیں کہلائے گا۔ لیکن رب العزت کے ہاتھ سے اس انعام کو اچکنے کی طاقت کسی کے ہاتھ میں نہ تھی اور نہ ہوگی۔

غرض وحدانیت باری تعالیٰ اور عبودیت حقہ کے ساتھ جب بھی اللہ کی راہ میں جہاد کیا جائے گا تو موانع کی عدم موجودگی میں یقیناً وعدہ الہی پورا ہوگا۔ ان موانع کا تذکرہ بعد میں آ رہا ہے۔ اس سلسلہ کی ایک روشن مثال دو سو سال قبل شروع ہونے والی شیخ محمد بن عبدالوہاب (ف ۱۷۹۲ء/ ۱۲۰۶ھ) کی اصلاحی اور تجدیدی تحریک ہے جو خالص توحید الہی کا بول بالا کرنے اور شریکات کی بیخ کنی کے لیے شروع کی گئی تھی اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس تحریک کو وہ نصرت اور کامیابی عطا کی کہ دو سو سال گزرنے کے باوجود اس تحریک کے بابرکت اثرات سعودی عرب میں دیکھے جاسکتے ہیں جن میں امن وامان کا قیام اور تمکین دین (یعنی شریعت کا نفاذ) سرفہرست ہیں اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ یہ انعام اس وقت تک جاری رہے گا جب تک توحید باری تعالیٰ اور دین خالص کی پاسداری جاری رہے گی۔ آیت اختلاف کے ساتھ ساتھ نبی ﷺ کی یہ بشارت بروایت ابی بن کعبؓ بھی ملاحظہ رہے:

”بشر هذه الأمة بالسنة والرفعة والدين والنصر والتمكين في الأرض فمن عمل منهم عمل

الآخرة للدنيا لم يكن له في الآخرة من نصيب“

”اس امت کو رفعت و عالی مراتب کی، دین اور فتح و نصرت کی اور زمین میں متمکن ہونے کی بشارت دے دو۔ لیکن ان میں سے جو شخص آخرت کا عمل دنیا کی خاطر کرے گا تو آخرت میں کوئی حصہ نہ پاسکے گا۔“

خلافت فی الارض کا جواز اور سیرت طیبہ ﷺ

ان تمہیدی گزارشات کے بعد آئیے ان عوامل کا جائزہ لیا جائے جو عہد رسول ﷺ میں بھی مسلمانوں کے لیے باعث فتح و کامرانی اور تمکین فی الارض ہوئے تھے اور بعد کے ادوار میں بھی ان کے لیے سرمایہ افتخار ہیں اور جن کی پابندی آج بھی امت مسلمہ کے لیے باعث نجات ہو سکتی ہے۔ اختصار کے ساتھ یہ چار عوامل ہیں:

14076

(۱) ایمان بحیثیت بنیاد (۲) فراہمی قوت (۳) صفوں کی شیرازہ بندی (۴) اور جہاد
ایمان: عقیدہ، عبادت، صالح معاشرہ کے قیام اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو شامل ہے۔
قوت میں سائنس، ٹیکنالوجی اور عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق آلات حرب کا حصول شامل ہے۔
صفوں کی شیرازہ بندی میں داخلی اتحاد، تفرقہ بازی اور انتشارِ فکری کا قلع قمع اور خارجی وحدت شامل ہے۔
جہاد میں دعوت الی اللہ اور جہاد بمعنی قتال شامل ہیں۔
گویا تفصیلی طور پر یہ دس عوامل ہوئے جن پر اب مفصل کلام کیا جاتا ہے۔

۱۔ عقیدہ کی درستگی اور پختگی

کسی بھی تحریک کی اصل بنیاد وہ عقیدہ ہے جس پر اس تحریک کی عمارت کھڑی کی گئی ہے۔ مشرکین عرب کا یہ عقیدہ کہ ﴿مَّا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيٰی وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ﴾ ہماری زندگی تو صرف دنیا ہی کی زندگی ہے، ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں صرف زمانہ ہی مار ڈالتا ہے۔“ (سورہ الجاثیہ: ۲۴) ان کے سارے تصرفات، جنگ و جدال اور معاملات پر حاوی تھا۔ گویا کہ ع با بر بعیش کوش کے عالم دوبارہ نیست!

ان کے نزدیک زندگی ایک درخت کی مانند ہے جو کوئل کی شکل میں زمین سے پھوٹتا ہے، پودے کی شکل اختیار کرتا ہے پھر تناور درخت بن جاتا ہے۔ برگ و بار پیدا کرتا ہے، پھل دار ہو تو عالم کو فیض یاب کرتا ہے، گھٹنا ہو تو سایہ دار رہتا ہے، بہار میں جانفزا اور خوش نما، خزاں اس کی ناتواں اور بے مزہ، تناس کا مضبوط ہو تو آندھیوں اور طوفانوں کے تھپیڑوں میں بھی نکار بھٹاتا ہے، لیکن کب تک! مرو را یام سے ایک وقت آتا ہے کہ ایک وقت اس کے پتے سوکھ جاتے ہیں، اور پھر ہلکا سا ایک جھٹکا اسے زمین بوس کر دیتا ہے۔ اس کی حیات و موت گردشِ زمانہ کے تابع ہے۔ نہ اس میں ثواب کا دخل، نہ عقاب کا عمل، نہ ہی رضائے الہی کا ظہور اور نہ ہی عذابِ سماوی کا کوئی دستور۔ انہیں انسانی زندگی اور نباتاتی دنیا میں طبعی اصولوں کا اشتراک تو نظر آیا، لیکن وہ ان اخلاقی اصولوں سے صرف نظر کر گئے جس کی وجہ سے ایک مسلم اور دہریے میں امتیاز قائم ہوتا ہے۔

کفار کے تصورِ زندگی کے برعکس قرآن نے واضح گاف اعلان کیا کہ دنیا کے اس اسٹیج پر کتنی ہی قومیں آئیں، زمانہ ان کے لیے صرف ایک جام کی مانند تھا۔ بطور ساقی یہ ان کا کام تھا کہ اسے پانی سے بھر دیتے اور عالم کی پیاس کا مداوا کرتے، دودھ سے بھر دیتے اور نیک نام کہلاتے یا پھر یہ جام بنتِ عنب کی نذر کر دیتے اور عالم محو ہو جاتا یا زہر سے بھر

دیتے کہ ہر طرف ہلاکت کا دور دورہ ہوتا۔

﴿وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ (سورۃ العصر)

”زمانہ کی قسم، بے شک انسان سر تا سر نقصان میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور جنہوں نے آپس میں حق کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی۔“

اس اصول کے تحت قوم نوح کی غرقابی، عاد و ثمود اور قوم لوط کی ہلاکت اور قوم فرعون کا دیا برد ہونا مرد زمانہ کی وجہ سے نہیں، بلکہ خالق ارض و سماء کے احکامات کی خلاف ورزی کی بنا پر تھا۔ نبی ﷺ نے بزبان قرآن واضح کر دیا کہ امن وامان کا قیام عقیدہ توحید سے وابستہ ہے، شرک یا مظاہر شرک سے نہیں!.....

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ﴾

”جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ آلودہ نہیں کرتے، ایسوں ہی کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔“ (الانعام: ۸۲)

’ظلم‘ ذو معنی لفظ ہے، اس لیے آنحضرت ﷺ نے سوال کیے جانے پر واضح کر دیا کہ ظلم سے مراد شرک ہے۔ آپ ﷺ نے بطور استنباط یہ آیت پڑھی: ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ ”بے شک شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔“ (القمان: ۱۳)

ایک اللہ کو پکارنا انسانی فطرت کی پکار ہے تو غیر اللہ کو پکارنا فطرت سے بغاوت ہے۔ عکرمہ بن ابی جہل کا اسلام لانا انسانی فطرت کے اسی پہلو کا آشکار ہونا تھا۔ فتح مکہ کے وقت عکرمہ کا نام ان آٹھ اشخاص میں شامل تھا جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرما دیا تھا کہ اگر وہ کعبہ کے پردہ سے لٹکے ہوئے بھی پائے جائیں تو ان کی جان بخشی نہ کی جائے، عکرمہ ساحل سمندر کی طرف بھاگا اور پھر اس پہلی کشتی میں سوار ہو گیا جو عازم حبشہ تھی۔ اس کشتی میں بہت سے مشرکین عرب بھی سوار تھے، کشتی سمندر کے سینے پر خراماں خراماں اٹھکیاں کرتی رواں دواں تھی کہ سمندر کی موجیں طوفان بن کر کشتی سے ٹکرائیں۔ عکرمہ نے دیکھا کہ یہی عرب جولائے، ہبل، منات کو پکارتے نہ تھکتے تھے، اب اللہ کے نام کی دہائی دے رہے تھے، وہ ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے:

”اخلصوا فإن آلہکم لاتغنی عنکم شینا ہہنا“

”خلوص دل سے دعا کرو کہ تمہارے خدا اس مقام پر تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔“

اس وقت عکرمہ نے کہا: ”اللہ کی قسم! اگر سمندر میں صرف اخلاص ہی بچا سکتا ہے تو پھر خشکی میں بھی وہی بچا سکتا ہے۔ اے اللہ! میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ اگر تو نے مجھے اس مصیبت سے چھٹکارا دے دیا تو میں سیدھا محمد ﷺ پاس جاؤں گا اور ان کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دوں گا اور وہ یقیناً مجھے معاف کر دیں گے۔“

اور پھر ایسا ہی ہوا اور وہ آنحضرت ﷺ نے پاس گئے اور مسلمان ہو گئے۔“

عکرمہ پر گزرنے والے تجربہ کو قرآن ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتَّىٰ إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلِكِ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا جَاءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ، لَئِنْ أَنْجَيْنَا مِنْ هَذِهِ لَنُكَوِّنَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿٢٢﴾ (یونس)

”وہ اللہ ایسا ہے کہ تم کو خشکی اور دریا میں چلاتا ہے، یہاں تک کہ جب تم کشتی میں ہوتے ہو اور وہ کشتیاں لوگوں کو موافق ہوا کے ذریعہ سے لے کر چلتی ہیں اور وہ لوگ ان سے خوش ہوتے ہیں۔ ان پر ایک جھونکا خت ہوا کا آتا ہے اور ہر طرف سے ان پر موجیں اٹھتی چلی آتی ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ (برے) آگھرے، اس وقت سب خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارتے ہیں کہ اگر تو ہم کو اس سے بچالے تو ہم ضرور شکر گزار بن جائیں گے۔“

﴿فَلَمَّا أَنْجَاهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ، يَأْتِيهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ، مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾

”پھر جب اللہ ان کو بچا لیتا ہے تو فوراً ہی وہ زمین میں ناحق سرکشی کرنے لگتے ہیں۔ اے لوگو! یہ تمہاری سرکشی تمہارے لیے وبال ہونے والی ہے۔ دنیاوی زندگی کے (چند) فائدے ہیں، پھر ہمارے پاس تم کو آنا ہے، پھر ہم سب تمہارا کیا ہوا تم کو بتا دیں گے۔“ (یونس: ۲۳)

عبادت الہی بجالانا

ایک مسلمان معاشرہ جو اللہ تعالیٰ کی نصرت و اعانت کا مستحق ہے، وہ معاشرہ ہے جو عبادت کو صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کرتا ہے۔ عبادت کا مفہوم صرف پنج وقتہ نماز، روزے، زکوٰۃ اور حج کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ اس میں نماز کی تمام بینات جیسے ہاتھ باندھ کر قیام، رکوع اور سجود، دعا، ماوراء الاسباب استغانت اور استغاثہ، قسم، نذر اور قربانی بھی

شامل ہیں۔ اعمالِ قلبیہ میں سے خشیت، رہبت، خوف، تقویٰ، امید ورجا کا تعلق بھی عبادت سے ہے۔ اسلام کے ارکان خمسہ کو تو ہر مسلمان بخوبی سمجھتا ہے اور اللہ ہی کے لیے ادا کرتا ہے، لیکن عبادت کے باقی مظاہر میں ڈنڈی مارنے والوں کی عظیم اکثریت ہے۔

ایسا قیام جو ایک مقتدایا پیشوا کے احترام کے لیے ہونا جائز قرار دیا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”لَا تَقْوُوا الْبَنِي كَمَا يَقْوَمُ الْأَعَا جِمُ لِمَلُوكِهِمْ“ ۱۔

”میرے لیے اس طرح کھڑے نہ رہو جیسے عجمی اپنے بادشاہوں کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔“
سلام کرتے وقت رکوع کی حد تک جھک جانا، پارلیمنٹ کے ایوان میں ایک ممبر کا اسپیکر کے سامنے جھکنا، رکوع سے مشابہت کی بنا پر ممنوع قرار پایا۔ کسی مخلوق کے لیے پیشانی زمین پر رکھنا اللہ تعالیٰ کے حقِ عبود کی حق تلفی ہے۔

”اسْتَعِينُوا عَلَىٰ إِنْجَاحِ الْحَوَائِجِ بِكَمَنَانِهَا فَإِنَّ كُلَّ ذِي نِعْمَةٍ مَحْسُودٌ“ ۲
”اپنی حاجات پوری کرنے کے لیے رازداری کے ساتھ ایک دوسرے سے مدد چاہو، کیونکہ جس پر نعمت ہو، اس سے حسد کیا جاتا ہے۔“

کہہ کر اسباب کی حد تک ایک دوسرے سے مدد طلب کرنے کی اجازت دے دی۔ اور ﴿إِنَّا كُنَّا نَسْتَعِينُ﴾ کے واضح اعلان کے ساتھ ماوراء الاسباب استعانت بغیر اللہ کی نفی کر دی۔

﴿فَاسْتَعَاثَ الْاَلِدَىٰ مِنْ شَيْعَتِهِ عَلَى الْاَلِدَىٰ مِنْ عَدُوِّهِ﴾ ”اس کی قوم والے نے اس کے خلاف جو اس کے دشمنوں میں سے تھا (موسیٰ) سے فریاد کی۔“ (القصص: ۱۵) کا بیان موجود حاضر شخص سے مدد کی درخواست کو شرف قبولیت عطا کر گیا اور بدر کی رات آنحضور ﷺ کا اللہ تعالیٰ سے استعاثہ ﴿وَإِذْ نَسْتَعِيْثُكَ رَبُّنَا مِنْ عَدُوِّنَا﴾ ”اس وقت کو یاد کرو جب کہ تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری سن لی کہ میں تم کو ایک ہزار فرشتوں سے مدد دوں گا جو لگا تار چلے آئیں گے۔“ (الانفال: ۹) یہ بتاتا چلا گیا کہ ماوراء الاسباب استعاثہ صرف اللہ کی ذات سے کیا جاسکتا ہے۔ لاریب کہ آنحضور ﷺ نے معرکہ بدر کے لیے مادی اسباب مہیا کرنے، اپنے جاں نثاروں کو مدینہ سے بدر تک لے آنے کے بعد اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلا کر اس مدد کو چاہا تھا جس پر صرف اللہ تعالیٰ کی ذات قادر ہے۔

قسم اٹھانے کو بھی اللہ کے ساتھ خاص کر دیا۔ فرمایا: ”مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللَّهِ أَوْ لِيَصْمِتَ“ ۳۔

”جس نے قسم کھانی ہو تو اللہ کے نام کی قسم کھائے، وگرنہ خاموش رہے۔“
نذر کو بھی اللہ کے لیے خاص کر دیا۔ فرمایا:

”مَنْ نَذَرَ أَنْ يَطِيعَ اللَّهَ فليطعه وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يعصِيَ اللَّهَ فلا يعصه“ ۱۔
”جس نے اللہ کی اطاعت کی نذر مانی تو پھر وہ اللہ کی اطاعت کرے (یعنی نذر پوری کرے) اور جس نے اللہ کی نافرمانی کی نذر مانی تو پھر وہ اس کی نافرمانی نہ کرے۔“
قربانی کا تذکرہ نماز کے ساتھ کر کے کوئی ایہام نہیں رہنے دیا گیا:

﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ ”اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر“ (سورۃ الکوثر)

اور اعمالِ قلبیہ میں سے دربارِ خشیت ﴿لَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ﴾ ”سوائے اللہ کے اور کسی سے نہیں ڈرتے“ اور دربارِ خوف ﴿فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُوا نِيَّ﴾ ”ان سے مت خوف کھاؤ، مجھ سے ڈرو اگر تم مومن ہو“ اور بابتِ ربہت و تقویٰ ﴿وَيَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا مَالَ الْوَدَّاعِ﴾ ”اور بابتِ امید ورجا ﴿يَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ﴾ ”اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔“ کہہ کر اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق کی کیفیت کو ظاہر کر دیا۔

دین کے اصولوں میں مداخلت (کچھ لو، کچھ دو) کا دروازہ بند کر دیا۔

﴿وَذُؤا لَوْ تَذَهَبَ فَيَذَهِبُونَ﴾ (القلم: ۹)

”وہ تو چاہتے ہیں کہ تو ذرا ڈھیلا ہو تو یہ بھی ڈھیٹے پڑ جائیں۔“

عبداللہ کی قیادت میں جب وفدِ ثقیف مدینہ پہنچا تو انہیں مسجد میں ٹھہرایا گیا تاکہ اسلام کو قریب سے دیکھ سکیں۔ اب جبکہ سارا عرب جوق در جوق اسلام میں داخل ہو رہا تھا، ثقیف کے علمائین بھی اسلام کی حقانیت کے قائل ہوتے جا رہے تھے لیکن ثقیف کا سردار عبداللہ دین کی پابندیوں کو گراں سمجھتے ہوئے چند رخصتوں کا متلاشی تھا۔ اس نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا: ”طائف کی سب سے بڑی پیداوار انور ہے جس کا سب سے بار آور مصرف شراب کی کشید ہے، اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے جواباً اللہ کا فرمان سنایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (المائدہ: ۹۰)

”اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب، جوا، تھان اور فال نکالنے کے پانے کے تیر یہ سب گندی باتیں، شیطانی کام ہیں۔ ان سے بالکل الگ رہو تاکہ تم فلاح یاب ہو۔“

پھر پوچھتا ہے: ہم سودی لین دین کرتے ہیں جو کہ ہماری تجارت کا حصہ ہے۔

آپ ﷺ نے پھر فرمان الہی پڑھا: ﴿وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الزُّبْنَ﴾ اور اللہ نے تجارت کو حلال کیا اور سود کو حرام کر دیا ہے۔“ (البقرہ: ۲۷۵) پھر سوال کرتا ہے: ہم مہینوں جنگی مہمات میں گھروں سے باہر رہتے ہیں، کیا غیر عورتوں کے ساتھ تعلق کی اجازت ہوگی؟ آپ ﷺ نے آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزَّانَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا﴾ (بنی اسرائیل: ۳۲)

”خبردار زنا کے قریب بھی نہ بھٹکنا، کیونکہ وہ بڑی بے حیائی ہے اور بہت ہی بری راہ ہے۔“

آخری بات پوچھتا ہے: یہ بیچ و فتنہ نماز تو کوہ گراں ہے، اسی میں تخفیف کر دیں؟

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”لا خیر فی دین لیس فیہ رکوع“ ”اس دین میں بھلا کیا بھلائی ہے جس میں جھکنا نہ ہو۔“ دین کے اصولوں میں مصالحت کی نفی فرمادی۔ اہل ثقیف مسلمان ہو گئے لیکن اپنے پرانے معبودات کا ڈراب بھی دلوں میں جا گزریں تھا، کہنے لگے کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! اس بت کو چند ماہ اور نہ ڈھائیں!! لیکن آنحضور ﷺ نے یہ درخواست بھی نامنظور کی، اس مقصد کے لیے مغیرہ بن شعبہ کو طائف بھیجا۔ جب لات پروار کرنے کے لیے وہ بڑھ رہے تھے تو اہل طائف انبوه درانبوه جمع ہو چکے تھے۔ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ ان کے معبود کا بال بھی بیکا ہو سکتا ہے۔ مغیرہ دوڑتے آئے تو پھسل کر گر پڑے، اہل طائف تو حیرت سے چیخ اٹھے، مغیرہ نے دوبارہ کلہاڑا اٹھایا اور پھر بت کو اس کی بنیادوں سے اکھاڑ پھینکا کہ شرک بول کی مانند ہے، اس کا نئے دار درخت کو اکھاڑنا ہے تو پھر جڑ سے اکھاڑنا ہی دانشمندی ہے۔ ۱۲

نبی ﷺ نے جب حضرت علیؓ کو ایک دعوتی مشن پر بھیجا تو حکم دے دیا کہ ”کوئی بھی مجسمہ نظر آئے تو اسے مٹا دو اور کوئی بھی اونچی قبر نظر آئے تو اسے برابر کر دو۔“ ۱۳ گویا شرک کے چور دروازوں کو بند کرنے کا راستہ دکھادیا۔

۳- صالح معاشرہ کا قیام

گو اس دنیا میں خیر و شر آپس میں ملے ہوئے ہیں، حق و باطل کا ٹکراؤ رہتا ہے، لیکن جماعت حق کا فرض ہے کہ وہ خیر کو غالب رکھے اور شرک کی بیخ کنی کرے۔ مسلمان جہاں کہیں بھی رہائش پذیر ہوں، مسجد ان کا مرکز و محور ٹھہرے۔

آنحضور ﷺ نے مسجد کے قیام سے مدینہ کی زندگی کا آغاز کیا اور مسلمان جہاں کہیں گئے، اس سنت نبویؐ کی پاسداری کرتے رہے۔

مسجد کا قائم کرنا اقامتِ صلوٰۃ کی راہ ہموار کرتا ہے، مسلمانوں کے اجتماعی نظم کی بنیاد رکھتا ہے، اطاعتِ امیر کا جذبہ پیدا کرتا ہے، مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد پیدا کرنے کا موجب بنتا ہے، مسلمان گھرانوں میں الفت و محبت، ہمدردی اور غمخواری کے خوابیدہ سوتوں کو بیدار کرتا ہے۔

مکہ میں قائم عبادت کے پہلے گھر کو بیت اللہ کہا گیا اور اس نسبت سے ہر مسجد اللہ کی طرف منسوب ہوئی: ﴿فَسُبُّ يَسُوتِ أَذِنَ اللَّهِ أَنْ تَرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ﴾ ”ان گھروں میں جن کے بلند کرنے اور جن میں اپنے نام کی یاد کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔“

ان گھروں کو آباد کرنے والوں کی اللہ تعالیٰ نے خود تحسین فرمائی: ﴿يَسْبَحُ فِيهَا بِالْعُدُوِّ وَالْأَصَالِ رَجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَحَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ﴾

”وہاں صبح و شام اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں ایسے لوگ جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے اور نماز کے قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے غافل نہیں کرتی، اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں الٹ پلٹ ہو جائیں گی۔“

اور پھر ان کے لیے اجر جزیل کا مغرہ سنایا:

﴿لِيَجْزِيَ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُمْ مِنْ فَضْلِهِ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (النور: ۳۶ تا ۳۸) ”تاکہ اللہ ان کے اعمال کا بہترین بدلہ دے بلکہ اپنے فضل سے اور کچھ زیادہ عطا فرمائے اور اللہ جسے چاہے بے شمار رزق عطا کرتا ہے۔“

ایک صالح معاشرہ کی علامت مسجدوں کا آباد ہونا اور حکامِ مملکت سے لے کر ادنیٰ چہرہ کی تک اس مسجد سے تعلق رکھنا ہے۔ اس تعلق میں جہاں کمی آئے گی وہاں اللہ کی رحمت دور ہوتی چلی جائے گی۔

امتِ مسلمہ کے لیے نماز کی پابندی اور مسجدوں کی حاضری وہ پیمانہ ہے جس سے رضائے الہی اور قربتِ خداوندی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ افسوس ہے اس پیمانہ سے نظریں چرائی جاتی ہیں۔ ناکامی کے اسباب گنوائے جاتے ہیں لیکن

اس سبب اعظم کا ادراک نہیں کیا جاتا۔

۴۔ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا

مسلم معاشرہ کے لیے خیر کا غلبہ لازمی ہے، فساد و فجار لوگ ہر دور میں پائے جاتے رہے ہیں اور ان کی موجودگی کے باوجود بھی مسلمانوں نے بڑی بڑی فتوحات حاصل کی ہیں۔ گویا فسق و فجور کے باوجود اللہ کی رحمت و نصرت نازل ہوتی رہی ہے اور اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ مسلمانوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا احساس باقی رہا ہے:

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ (التوبہ: ۷۱)

”مومن مرد و عورت آپس میں ایک دوسرے کے (مددگار و معاون اور) دوست ہیں۔ وہ بھلائیوں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں۔ نمازوں کو پابندی سے بجالاتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اللہ اور اس کے رسول کی بات مانتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ بہت جلد رحم فرمائے گا، بے شک اللہ غلبے والا حکمت والا ہے۔“

اس امت کو خیر امت کا لقب ان تین اوصاف کی بنا پر دیا گیا: امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور ایمان

www.KitaboSunnat.com

باللہ فرمایا:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ (آل عمران: ۱۱۰) ”تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے تم نیک باتوں کا حکم دیتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔“

”اہل کتاب ایک دوسرے کو برائی سے نہیں روکتے تھے۔“ (المائدہ: ۷۹) اس لیے ان کی اکثریت فاسق کہلائی:

﴿وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ، مِنْهُمْ الْمُؤْمِنُونَ وَ أَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ﴾

”اگر اہل کتاب بھی ایمان لاتے تو ان کے لیے بہتر تھا۔ ان میں ایمان لانے والے بھی ہیں لیکن اکثر تو فاسق

ہیں۔“ (آل عمران: ۱۱۰)

سورہ الحدید کی آیت نمبر ۱۶، ۲۶، اور ۲۷ میں بھی ان کی اکثریت کو فاسق بتایا گیا۔

اگر اہل کتاب کافسق و فجور انہیں اللہ کے آخری پیغام کا حامل بننے کی راہ میں حائل ہو گیا تو خیر امت کو بھی اپنی خیر

منانی چاہیے، کہیں فسق و فجور کی کثرت تو انہیں نہیں لے ڈوبی ہے!!

منکران تمام چیزوں کا نام ہے جن سے ایک نیک فطرت ابا کرتی ہے، چاہے وہ نا انصافی ہو، رشوت کا چال چلن ہو، آرٹ اور فن کے نام پر بے حیائی اور فحاشی کی ترویج ہو، مے خانہ ہو یا قحبہ خانہ، مرکز قمار ہو یا ریس کورس، مردوزن کے لیے بے محابا اختلاط کے کلب ہوں یا رقص گاہیں، فطرت اسلام ان سب سے ابا کرتی ہے اور اگر ان منکرات کو حکومت کی سرپرستی حاصل ہو اور عوام الناس کی آشیر باد تو پھر ایسی سلطنت اپنے فسق کی بنا پر ہلاک کر دی جاتی ہے:

﴿وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَرْنَاهَا تَدْمِيرًا﴾
(بنی اسرائیل: ۱۶)

”اور جب ہم کسی بستی کی ہلاکت کا ارادہ کر لیتے ہیں تو وہاں کے خوشحال لوگوں کو (کچھ) حکم دیتے ہیں اور وہ اس بستی میں کھلی نافرمانی کرنے لگتے ہیں تو ان پر (عذاب کی) بات ثابت ہو جاتی ہے اور پھر ہم اُسے تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔“

﴿وَكَذَلِكَ نُولِي بَعْضَ الظَّالِمِينَ بَعْضًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ (الانعام: ۱۲۹)

”اور اس طرح ہم بعض ظالموں کو دوسرے ظالموں کے پیچھے لگا دیتے ہیں، ان کے اپنے اعمال کے سبب۔“
اور اسی سنت الہی کے تحت ظالم و اشکھن کو ظالم عراق سے نکلرا دیا گیا۔ حقیقی ایمان سے دونوں محروم تھے، اس لیے ایک زور و طاقت کمزور طاقت پر غلبہ پانے لگی جبکہ اہل ایمان کو باوجود قلت تعداد کے اللہ تعالیٰ غلبہ عطا کرتا ہے:

﴿كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ (البقرہ: ۲۳۹)

”بسا اوقات چھوٹی اور تھوڑی سی جماعتیں بڑی اور بہت سی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غلبہ پالیتی ہیں۔“

۵۔ قوت اور طاقت کی فراہمی

اہل ایمان کو دشمنان اسلام سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہنے کا حکم دیا گیا ہے اور قوت فراہم کرنے کا پابند کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں سورہ الحدید اور سورۃ الانفال کی دو آیات اہل اسلام کے لیے مشعل راہ ہیں:

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنْفَعٌ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ، إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ﴾
(الحديد: ۲۵)

”یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان (ترازو) نازل فرمایا تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں اور ہم نے لوہے کو اتارا جس میں سخت ہیبت اور قوت ہے اور لوگوں کے لیے اور بھی (بہت سے) فائدہ ہیں اور اس لیے بھی کہ اللہ جان لے کہ اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد بے دیکھے کون کرتا ہے۔ بے شک اللہ قوت والا اور زبردست ہے۔“

شیخ عبدالرحمن بن ناصر سعدیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ کی قوت اور اعتراف کا ایک مظہر یہ ہے کہ اس نے لوہے کو اتارا کہ جس سے مضبوط آلات بنائے جاتے ہیں۔ اس کی قوت اور اعتراف کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ وہ اپنے دشمنوں سے انتقام لینے پر قادر ہے، لیکن وہ اپنے اولیاء کو اپنے دشمنوں کے ساتھ بھڑا دیتا ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ عالم غیب (یعنی اس دنیا میں) کون اس کی نصرت کرتا ہے۔ اس جگہ اللہ تعالیٰ نے کتاب اور لوہے کا ساتھ ساتھ ذکر کیا کیونکہ ان دونوں چیزوں کے ساتھ اللہ اپنے دین کی مدد کرتا ہے اور اپنے کلمہ کو بلند کرتا ہے، کتاب کے ساتھ کہ جو حجت اور برہان پر مشتمل ہے اور تلوار کے ساتھ جو اللہ کے اذن کے ساتھ نصرت لے کر آتی ہے۔

ان دونوں کا قیام عدل و انصاف کے ساتھ ہی ممکن ہے کہ جو باری تعالیٰ کی حکمت، کاملیت اور اس کے رسولوں کے ذریعہ بھیجی گئی شریعت کے کمال پر ایک دلیل کی حیثیت رکھتی ہے۔“

اس سلسلہ کی دوسری آیت میں ارشاد فرمایا:

﴿وَأَعِزُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهِ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوفِّ بِإِلَيْكُمْ وَانْتُمْ لَا تَظْلُمُوْنَ﴾ (الأنفال: ۶۰)

”تم ان کے مقابلہ کے لیے اپنی طاقت بھر قوت کی تیاری کرو اور گھوڑوں کو تیار رکھنے کی، کہ اس سے تم اللہ کے دشمنوں کو خوفزدہ رکھ سکو اور ان کے سواروں کو بھی، جنہیں تم نہیں جانتے، اللہ انہیں خوب جان رہا ہے۔ جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا پورا دیا جائے گا اور تمہارا حق نہ مارا جائے گا۔“

۱۔ یہ نہیں کہا گیا کہ اتنی قوت فراہم کرو جتنی اعداء اسلام کے پاس ہے، بلکہ اتنی جتنی کہ تم استطاعت رکھتے ہو۔ اس میں افرادی قوت بھی آجاتی ہے اور آلات حرب بھی۔

۲- 'قوت' کا بیان کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: 'إِن الْقُوَّةَ الرَّمْيَ، أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيَ'۔"

تیر اندازی ہی قوت ہے، سنو! تیر اندازی ہی قوت ہے۔" ۱۵

یعنی زمانہ نبوت میں جو قوت رائج تھی آپ ﷺ نے اس کا تذکرہ فرمایا۔ بعد کے ادوار میں مسلمانوں نے منجیق، گولہ بارود اور دیگر آلات حرب کو بھی استعمال کیا، اور اس کا یہ مطلب ہوا کہ موجودہ دور میں جو چیز عسکری لحاظ سے ایک قوم کو تقویت بہم پہنچاتی ہے، وہی قوت ہے۔ چاہے وہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی شکل میں ہو، ایٹمی طاقت کے حصول میں ہو، بڑا کاٹیا روں، جنگی بیڑوں اور آبدوزوں کا روپ رکھتی ہو، ٹینکوں آرمرڈ گاڑیوں، میزائلوں کی صورت رکھتی ہو، ان سب کا حصول ضروری ہے!!

۳ رباط النیل (گھوڑوں کے دستوں) کے تیار کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اگر گھوڑے عسکری نقل و حرکت کے لیے استعمال ہوتے تھے تو آج ہر وہ گاڑی (جس کے انجن کی طاقت کو اب بھی ہارس پاور کی اصطلاح میں بیان کیا جاتا ہے) جو اس مقصد کے لیے استعمال ہو اور جس کی پیٹھ پر جنگ میں حصہ لیا جاسکے، رباط النیل کے حکم میں ہے یعنی قوت کی فراہمی کے ساتھ اس قوت کے استعمال میں مددگار آلات دونوں مطلوب ہیں۔

قوت کی فراہمی دور امن میں بھی مطلوب ہے تاکہ دشمن پر دھاک بٹھائی جاسکے، دشمن کی تیاریوں سے غافل رہنا اور پھر اچانک حملہ کی صورت میں سراسیمگی کا شکار ہو جانا ایک مسلمان کے شایان شان نہیں ہے۔

نبی ﷺ کا رومیوں کے متوقع حملہ کی پیش بندی کے لیے خود بنفس نفیس لشکر اسلام کے ساتھ تبوک جانا اسی مقصد کی خاطر تھا۔ آپ ﷺ کا مملکت اسلام کی سرحدوں تک جانا دشمن کے لیے ہمت شکن ثابت ہوا اور انہیں حملہ کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔

۵- قوت کی فراہمی میں جو کچھ خرچ کیا جائے گا، فی سبیل اللہ کے حکم میں ہے جس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ ان متذکرہ باتوں کے علاوہ دشمن کے مقابلہ میں عددی قوت اور قوتِ حربیہ کے ضمن میں سورۃ الانفال کی چند مزید آیات پیش نظر ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عَشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتِينَ وَإِنْ تَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ﴾ (الانفال: ۶۵)

"اے نبی! ایمان والوں کو جہاد کا شوق دلاؤ۔ اگر تم میں بیس بھی صبر کرنے والے ہوں گے تو دوسو پر غالب رہیں

گئے اور اگر تم میں سے ایک سوہوں گے تو ایک ہزار کافروں پر غالب رہیں گے۔ اس واسطے کہ وہ بے سمجھ لوگ ہیں۔“ چونکہ قتال سے بھاگنا ان سات کبیرہ گناہوں میں سے ہے جن کے بارے میں سخت وعید آئی ہے۔ ۱۶۔ اس لیے بتا دیا گیا کہ دشمن کے مقابلہ میں ثابت قدمی کی حد کیا ہے۔ یہ آیات شروع اسلام کی ہیں جب ایمانی طاقت اپنے عروج پر تھی اور مسلمان تعداد کے اعتبار سے قلیل تھے، اس لیے دس گنا دشمن کے مقابلے میں ہٹنے کی اجازت نہیں دی گئی بلکہ مردانہ وارقابلہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ بعد میں جب مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی تو اس حکم میں تخفیف کر دی گئی:

اَللّٰنْ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنْ فِىْكُمْ ضَعْفًا فَاِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مَّائَةٌ صَابِرَةٌ يُّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ اَلْفٌ يُّغْلِبُوْا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۶۶﴾ (الانفال: ۶۶)

”اچھا اب اللہ تمہارا بوجھ ہلکا کرتا ہے، وہ خوب جانتا ہے کہ تم میں ناتوانی ہے، پس اگر تم میں سے ایک سو صبر کرنے والے ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب رہیں گے اور اگر تم میں سے ایک ہزار ہوں گے تو وہ اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب رہیں گے۔ اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“

یعنی اگر دشمن دگنی تعداد میں ہو تو اس کا مقابلہ فرض ہے۔ راہ فرار اختیار کرنا جائز نہیں۔ ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی متذکرہ بالا تعداد صبر (ثابت قدمی) کے ساتھ مربوط ہے۔ تھوڑے، بزدل اور پست ہمت نوجوانوں کی تعداد مراونہیں، اور دوسرے یہ کہ یہاں جس دشمن کے سامنے کھڑے رہنے کا حکم دیا گیا ہے وہ کم و بیش ویسے ہی آلات حرب استعمال کر رہا تھا جو مسلمانوں کے پاس تھے، بدرواُحد میں دشمن کے پاس تلوار، تیر، نیزے بطور ہتھیار اور گھوڑے، اونٹ برائے بار برداری تھے اور تعداد کے تفاوت سے یہی چیزیں مسلمانوں کے پاس بھی تھیں۔ اس لیے یہ وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ موجودہ دور میں مسلمانوں کو بھی انہی آلات حرب سے لیس ہونا چاہیے جو دشمنان اسلام کے استعمال میں ہیں البتہ تعداد کی کمی ایمان اور صبر کے ہتھیاروں سے پوری کی جاسکتی ہے کہ جس کا حکم بھی اللہ ہی نے دیا ہے فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ، اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (البقرہ: ۱۵۳)

”اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعہ مدد چاہو۔ اللہ تعالیٰ صبر والوں کا ساتھ دیتا ہے۔“

غزوہ موتہ (۸ھ) مسلمانوں کی تعداد تین ہزار تھی جب کہ مقابلہ میں قیصر روم کے باج گزار رئیس بلقان کی فوج کی تعداد ایک لاکھ تھی، گویا تفاوت کی نسبت ایک بمقابلہ دس نہیں بلکہ ایک بمقابلہ تینتیس تھی۔ پھر بھی مجاہدین اسلام نے

سرفروشی کی مثالیں قائم کر دیں۔ زید بن حارثہ، جعفر بن ابی طالب اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم یکے بعد دیگرے شہید ہوئے اور پھر خالد بن ولید کمال دانشمندی سے باقی ماندہ فوج کو واپس لانے میں کامیاب ہو گئے۔ ۱۷

صرف قوت کی فراہمی پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ ایمان اور صبر کے ہتھیاروں کو حرز جان بنایا جائے:

﴿وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾

”تم نہ سستی کرو اور نہ غمگین ہو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایماندار ہو۔“ (آل عمران: ۱۳۹)

اور کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ ایک انسان تلوار ہاتھ میں رکھتا ہے اور ذہنی طور پر اتنا بزدل ہے کہ اس کے بازو دشمن کے مقابلہ میں تلوار اٹھانے میں پاتے تو ایسی تلوار کس کام کی؟ ایسے مسلمانوں کے پاس جدید سے جدید ٹیکنالوجی موجود ہو لیکن دشمن کی ایک بڑھک ان کے اوسان خطا کر دے تو بھلا ایسی ٹیکنالوجی کا کیا حاصل؟ بقول شاعر:

أسد علی وفي الحروب نعامه هيفاء تصفر من صفيير المصافر

”(بیوی اپنے شوہر سے مخاطب ہے) میرے اوپر تو شیر بنا پھرتا ہے لیکن جنگ میں شتر مرغ، کہ ذرا سی آہٹ سے کیچر منہ کو آجاتا ہے۔“

ٹیکنالوجی علم سے وابستہ ہے۔ عالم اسلام میں جدید علوم کے حصول کے لیے زیادہ سے زیادہ جامعات قائم ہونی چاہئیں لیکن ان جامعات میں سیرت اور اعجاز علمی سلیبس کا لازمی جزو ہونا چاہیے تاکہ مادی علوم کے ساتھ ایمان کو بھی جلا ملتی رہے۔

اعجاز علمی سے ہماری مراد ہے قرآن و حدیث میں ایسے بہت سے اشارات ملتے ہیں جو سائنسی حقائق کا پتہ دے رہے ہیں۔ رابطہ عالم اسلامی کے صدر دفتر مکہ مکرمہ میں اعجاز علمی کا مستقل شعبہ قائم ہے جس میں اس موضوع پر سیر حاصل کام ہو چکا ہے۔ ان کے اس کام سے رہنمائی حاصل کی جائے۔ مزید برآں ایسے اساتذہ کا انتخاب ہونا چاہیے جو سائنس کی تعلیم کے ساتھ طلبہ کے سینوں میں ایمان کی مشعلیں بھی فروزاں رکھیں۔

آج ہمارے کتنے عالی دماغ جو ہر مغرب میں سائنس کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور کتنے ہی علم کے مدارج حاصل کر چکے ہیں لیکن دیار مغرب کے طحذ ذہنوں سے تربیت پانے کی بنا پر چپ عاجلہ کا شکار ہیں اور بجائے اوطان اسلام کو مضبوط کرنے کے ان کے اغیار کی خدمت کر رہے ہیں۔ ہمارے کتنے جرنیل مغرب کی عسکری تربیت گاہوں میں ٹریننگ حاصل کرنے کے بعد معرکہ کفر و ایمان میں اپنی بے اعتقادی، ضعف ایمانی اور کم ہمتی کی بنا پر دشمنوں کے سامنے سپر

ڈال چکے ہیں۔ سقوط بیت المقدس، سقوط ڈھاکہ اور اب سقوط بغداد انہی جرنیلوں کی سیہ کاریوں کے نتیجہ میں ظہور پذیر ہوئے۔

۶۔ صفوں کی شیرازہ بندی اور داخلی اتحاد کی کوشش

اس وقت امت مسلمہ ستاون ممالک میں سیاسی برتری اور دنیا کے بیشتر ممالک میں اپنا ایک مستقل وجود رکھتی ہے، ہر مسلم ملک ایک اکائی کی حیثیت رکھتا ہے جو دوسری اکائیوں کے ساتھ مل کر ایک عظیم اتحاد کی شکل اختیار کر سکتا ہے، لیکن سب سے پہلے ہر اکائی کو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے۔

ان تمام عوامل کی بیخ کنی لازمی ہے جو ایک وحدت کو پارہ پارہ کرنے کی کوشش میں لگے ہوں۔ ان میں سرفہرست برادری ازم، قبائلی عصبیت، علاقائیت، قومیت اور فرقہ واریت ہیں۔ کسی بھی اسلامی ملک کو دیکھ لیجیے، علاقائیت کا عرفیت بھائی بھائی کے درمیان نفرت اور عداوت کے بیج بوٹا نظر آئے گا۔ صومالیہ میں شمال و جنوب کی کشمکش، پاکستان میں شیعہ و سنی اور صوبائیت پر مبنی تعصبات کی آویزش، بنگلہ دیش میں سلہٹ اور غیر سلہٹی افراد کے درمیان تفریحی کیفیت، عراق میں تمام تر مصائب کے باوجود اہل سنت اور اہل تشیع کے درمیان اور پھر عربوں اور کردوں کے درمیان محاذ آرائی، افغانستان میں پنجتون، ازبک اور تاجک قوموں کے مابین تافس جو امریکہ کے حملہ کے وقت کھل کر ظاہر ہو چکا، اس امر کی چند نمایاں مثالیں ہیں۔

نبی ﷺ نے مدینہ میں جو معاشرہ قائم کیا تھا، اس کی بنیاد مہاجرین و انصار کے درمیان اخوت، محبت اور یگانگت پر رکھی گئی تھی۔ مہاجر اور انصار کے دونوں معزز لقب اپنے اپنے اوصاف حمیدہ کی بنا پر وحی الہی میں جگہ پائے۔

﴿وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾
(التوبہ: ۱۰۰) ”اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور متقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو

ہیں، اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔“

لیکن جب انہی دونوں جماعتوں کے دو افراد ایک کنویں سے پانی نکالنے پر جھگڑ پڑے اور مہاجر نے مہاجرین کی دہائی دی اور انصاری نے انصاری کی تو رسول اللہ ﷺ سب کام چھوڑ چھاڑ کر موقع نزاع پر پہنچے اور بجا ننگ و بیل ارشاد

فرمایا: ”أبدعوى الجاهلية وأنا بين أظهركم“ ”جاہلیت کا نعرہ لگاتے ہو، حالانکہ میں ابھی تمہارے درمیان ہوں۔“ ۱۸

یعنی وہ معزز لقب جو ہجرت اور نصرت کے اعتبار سے انتہائی معزز اور قابلِ صدا افتخار تھا جب دو جماعتوں کو لڑانے کے لیے استعمال کیا گیا تو جاہلیت کا نعرہ کہلایا گیا، وہ جاہلیت جسے قبل از اسلام کفریہ دور سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ کیا پاکستانی مسلمانوں کے لیے لمحہ فکریہ نہیں کہ یہاں بھی صوبائیت اور مہاجرت کے نام پر بھائی بھائی کی گردن کاٹی گئی ہے اور یہ سلسلہ هنوز جاری ہے اور پھر بھی اللہ کی نصرت کی امید کی جاتی ہے!!

عرب ممالک میں قومیت کا نعرہ بڑی شان سے بلند کیا گیا، لیکن یہ نعرہ یہودیوں کی چھوٹی سی ریاست کا مقابلہ کرنے یا اہل فلسطین کو ان کی سرزمین واپس لوٹانے میں عربوں کی کوئی مدد نہیں کر سکا، عرب لیگ آج ایک بے جان لاشہ ہے جو تنہی و تکفین کا منتظر ہے۔ صدام اور حافظ الاسد کی بعث پارٹی کے نام سے ایک بے خدا تحریک آپس میں جنگ و جدال، قتل و غارت اور سفاکی و درندگی کا ننگا ناچ ناچنے کے بعد خود بھی ڈوبی اور اپنی قوم کو بھی لے ڈوبی۔ کیا اب بھی اس کی باقیات سیہ سے خیر کی توقع کی جاسکتی ہے؟

۷۔ دین میں تفرقہ بازی سے اجتناب

فرقہ بازی کی تباہ کاریاں ہر کس و ناکس پر عیاں ہیں۔ کسی بھی خارجی یلغار کے وقت وقتی طور پر مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد دکھائی دیتا ہے، لیکن جونہی سیاہ بادل چھٹتے ہیں، دینی علم سے وابستہ افراد پھر ایک دوسرے کے خلاف چاند ماری شروع کر دیتے ہیں، گویا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کسی اور کے لیے نازل ہوا ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾ (آل عمران: ۱۰۳)

”اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور پھوٹ نہ ڈالو۔“

﴿وَاطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا، إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ (الأنفال: ۴۶)

”اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے رہو، آپس میں اختلاف نہ کرو، ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرتے رہو۔ یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“

کیا علماء مشائخ اور طلبہ علم کا یہ فرض نہیں کہ موجودہ پر آشوب حالات میں امت مسلمہ کی صفوں میں مزید افتراق پیدا

کرنے کے بجائے ایک دوسرے کو قریب کرنے کی کوشش کریں، اس آیت میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کیا قرآن وحدیث ان اصولوں کی طرف رہنمائی نہیں کرتے جن سے آپس میں اتحاد پیدا کیا جاسکتا ہے۔

اللہ کے رسول کو کہا گیا ہے کہ اہل کتاب کو چیلنج کیا جائے کہ جس کلمہ سوائے کا اقرار تمہیں بھی ہے اور مسلمانوں کو بھی، اس پر جمع ہو جاؤ تا کہ حق قبول کرنے کے لیے تمہارا سینہ کشادہ ہو سکے، کیا مسلمانوں کے پاس قرآن، احادیث صحیحہ اور اسوہ حسنہ کی شکل میں اتحاد کی واضح اساسات موجود نہیں کہ صرف امت مسلمہ کی بھلائی کی خاطر اپنے مسلکی اختلافات کو اپنے گروہ کی حد تک محدود رکھیں اور ملکی سطح پر اتحاد و یگانگت کا مظاہرہ کریں۔

یقیناً موجودہ مجلس عمل ایک انتہائی خوش آئند کوشش ہے لیکن یہ اتحاد صرف بغض معاویہ کی بنیاد پر نہیں ہونا چاہیے، اس کا مقصد صرف اسلام آباد کے ایوانوں تک پہنچنا نہ ہو، بلکہ اسے اپنی مساجد، اپنے مدارس اور اپنی خانقاہوں تک وسعت دی جائے تا کہ عوام الناس تک اسلام کی اعلیٰ تعلیمات کے عملی مظاہر سامنے آسکیں۔

قرآن وسنت، اسوہ رسول اور تعامل صحابہ امت کا مشترکہ سرمایہ ہیں۔ یہ ہمارے اتحاد اور طاقت کا باعث ہیں۔ اگر مسلمانوں کے تمام فرقے ان اساسات پر جمع نہیں ہو سکتے تو پھر انہیں محکومیت، اغیار کی غلامی، عمومی ذلت اور نکبت سے کوئی طاقت نہیں بچا سکتی۔ یہودیت اور عیسائیت کی تاریخ کے برعکس اللہ تعالیٰ نے اس امت کو دین حق پر قائم ودائم رکھنے کے لیے حفظ قرآن (جس میں سنت بحیثیت شرح قرآن بھی شامل ہے) اور وجود طائفہ منصورہ کی شکل میں دو ایسے عوامل رکھے ہیں جو حق کے منہ اور دین میں تخریف پیدا ہونے سے مانع ہیں۔ طائفہ منصورہ سے ہماری مراد ہر وہ فرد، گروہ یا جماعت ہے جو اس حدیث کا مصداق ہے:

”لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كَذَلِكَ“ ۱۹

”میری امت میں برابر ایک ایسا گروہ رہے گا جو غالب رہے گا، حق پر ہوگا انہیں چھوڑ کر جانے والے انہیں نقصان نہیں پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے گا۔“

اس حدیث کا ابہام دوسری روایت سے دور ہو جاتا ہے:

”لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ، ظَاهِرِينَ مَنْ نَاوَاهُمْ حَتَّى يُقَاتِلَ آخِرُهُمُ الْمَسِيحُ

اللَّجَال“ ۲۰

”میری امت میں سے ایک گروہ حق پر لڑتا رہے گا، اپنے مخالفین پر غالب رہے گا یہاں تک کہ ان کا آخری فرد (یا مجموعہ) مسیح دجال سے قتال کرے گا۔“

یعنی ایسے لوگ جن کی زبان، قلم اور ہاتھ سے حق کا ظہور ہوتا رہے گا اور وہ کسی بھی ملامت گر کی ملامت کی پروا کئے بغیر حق کا پیغام پہنچاتے رہیں گے یہاں تک کہ اللہ کے حکم سے یہ دنیا اپنی آخری اجل کو پہنچ جائے گی۔

ایسی جماعت بروہ جماعت ہے جو عقیدہ توحید پر مضبوطی سے قائم ہو، اللہ کے رسول کے لائے ہوئے دین کو من و عن بیان کرنے کی پابند ہو، جس کی صفوں میں تقویٰ اور اللہیت کا دور دورہ ہو، جس کی امارت برادری ازم، قبائلیت یا لسانی و صوبائی عصبیت یا خاندانی توارث کے لزوم سے مبرا ہو۔ صرف تقویٰ، صلاحیت اور حسن تدبیر (سیاست شرعیہ) کے بل بوتے پر منتخب کی گئی ہو۔ یہ سب نہ ہو تو صرف ادعاء پارسیائی، منافقت اور مکاری کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

۸- وسیع پیمانہ پر مسلمانوں کا اتحاد

یہ ذمہ داری ان سیاستدانوں، حکمرانوں، قوموں کی قسمت سے کھیلنے والے جرنیلوں، بادشاہوں اور آمروں سے متعلق ہے جو یا تو آئینی طور پر یا کسی کا ناتی حادثہ کے طور پر یا کسی داخلی یا خارجی طاقت کے اشارہ پر یا ایک تاریخی تسلسل کے طور پر حکومت کا بار اپنے ناتواں کندھوں پر اٹھائے ہوئے ہیں۔ ان کی مجموعی تعداد مسلم ممالک کے اعتبار سے ۵۷ بنتی ہے۔

خیال رہے کہ ریاستہائے متحدہ امریکہ جس نے انگریزوں کے تسلط سے ایک طویل جنگ آزادی کے بعد ۴ جولائی ۱۷۷۶ء کو جنم لیا تھا اور جو ابتدائی تیرہ ریاستوں سے بڑھ کر آج پچاس ریاستوں پر مبنی ایک عظیم الشان ملک ہے، اپنی طاقت کا راز کس چیز میں سمجھتا ہے؟

جو اب اعرض ہے کہ پچھلے سال ’مجمع علماء الشریعہ، امریکہ کے ایک اجلاس میں شرکت کے لیے واشنگٹن جانا ہوا، بلٹن ہول کی لفٹ میں چند لمحوں کے وقف کے دوران لفٹ کی مختصر اسکرین پر ایک سطر بار بار فلیش ہو رہی تھی:

”ریاستہائے متحدہ امریکہ کی طاقت کا راز کیا ہے..... اتحاد“

یہ بھی واضح رہے کہ امریکہ میں ایک قوم نہیں بستی ہے، بلکہ قدیم ریڈانڈین امریکنوں کی قلیل تعداد (جن کی اکثریت کی نسل کشی کی جا چکی ہے) کے علاوہ یورپ کے ہر خطہ کے، بلکہ دنیا کے ہر علاقہ کے لوگ موجود ہیں۔

انگریزی کے علاوہ جنوب کی ریاستوں میں اسپینش زبان کو بحیثیت ثانوی زبان کے لکھا اور بولا جاتا ہے۔ فرانسیسی اور جرمن کا بھی بعض علاقوں میں دور دورہ ہے۔ ایک صدی قبل شمال اور جنوب کی ریاستوں میں غلامی کے مسئلہ پر سخت محاذ آرائی بھی ہو چکی ہے، لیکن ان تمام منفی عوامل کے باوجود بین الریاستی اتحاد نے آج امریکہ کو اس مقام پر پہنچا دیا ہے جہاں وہ کوسلن الملک الیوم بجاتا نظر آتا ہے۔

پیشتر مسلم ممالک کی آزادی کی تاریخ چونکہ پچھلے پچاس ساٹھ سالوں سے متجاو نہیں اس لیے ان کا مقابلہ امریکہ جیسی وحدت سے کرنا صحیح نہ ہوگا۔ ہمارے اوپر ماضی کی اس نسل کو ہدیہ تبریک دینا فرض ہے جس نے انتہائی نامساعد حالات میں آزادی کی تحریکات برپا کیں اور پھر یورپ کی استعماری طاقتوں سے قربانی، سرفروشی، اور بہادری کی لازوال داستانیں رقم کرنے کے بعد آزادی حاصل کی۔ یہ جدوجہد عوام علماء اور سیاستدانوں کی ملی جلی کوششوں کا نتیجہ تھی۔ لیکن جس طرح بنی اسرائیل کا سفینہ سینا کی چالیس سالہ صحرا نوردی کے بعد جہاد و قتال کے مرحلوں سے گزرتا ہوا جب برامان تک پہنچا تو کچھ عرصہ کے بعد ہی بگاڑ کا شکار ہونا شروع ہو گیا۔ ایسے ہی مسلم ممالک کو یہ آزادی راس نہ آئی اور طالع آزمایاست کے نتیجہ میں کشتیاں پھر گرداب میں پھنس چکی ہیں اور ساحل کا دور دور تک پتہ نہیں۔

امید کی چند کرنیں یقیناً جگمگائیں، لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شدہ.....!!

۵۔ ستمبر ۱۹۶۹ء میں شاہ فیصل کی مہمیز اور چند دردمند حکمرانوں کے تعاون سے مراکش میں اسلامی ممالک کی تنظیم OIC کا قیام عمل میں لایا گیا۔ مسلم ممالک کے درمیان اتحاد اور رشتہ رگت قائم کرنے کی یہ اچھی ابتدا تھی لیکن تینتیس سال گزرنے کے بعد بھی یہ تنظیم اپنی افادیت ثابت نہیں کر سکی ہے۔ سیاسی میدان میں چاہے فلسطین کا مسئلہ ہو یا کشمیر کے سلسلہ میں پاکستان کے موقف کی عملی حمایت، ایران و عراق کی آٹھ سالہ خوئی جنگ ہو یا کویت پر عراق کا غاصبانہ قبضہ، کیا یہ تنظیم میں کسی بھی مسئلہ کو حل کر سکی ہے؟

سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں IFSTAD (انٹرنیشنل فاؤنڈیشن فار سائنس اینڈ ٹکنالوجی) اور COMSTECH (اسٹینڈنگ کمیشن فار سائنٹفک اینڈ ٹیکنالوجیکل کوآپریشن) کا قیام نہایت خوش آئند اقدامات تھے۔ لیکن پہلا ادارہ تو سرے سے سر ہی نہ اٹھا۔ کا اور دوسرا ادارہ بھی ایک کاغذی شیر سے بڑھ کر کچھ نہیں۔

اقتصادی میدان میں IDB (اسلاک ڈویلپمنٹ بنک) اس لیے قائم کیا گیا تھا کہ بلا سود بنکاری کو فروغ دیا جاسکے۔ اس میدان میں یقیناً کچھ پیش رفت ہوئی ہے لیکن 'او آئی سی' کو اپنی بقا کے جواز کے لیے کسی انقلابی اقدام کی

ضرورت ہے۔

تنظیم کے پہلے سکرٹری جنرل ملائیشیا کے تھکو عبد الرحمن نے اس تنظیم کو کھڑا کرنے، اس کی صفوں میں اتحاد پیدا کرنے اور اس کے ذیلی اداروں کو قائم کرنے میں بہت فعال کردار ادا کیا، لیکن مقام افسوس ہے کہ ان کے اخلاف ان کی اعلیٰ روایات کو باقی نہیں رکھ سکے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مہاتیر محمد سابق وزیر اعظم (ملائیشیا) نے 'او آئی سی' کے آخری اجلاس میں امت مسلمہ کو درپیش جن مسائل کی طرف اشارہ کیا ہے ان کے حل کی تلاش کرنے پر سنجیدہ گفتگو کی جاتی۔ لیکن مقام افسوس ہے کہ مہاتیر محمد بھی نشست و گفتند و برخاستہ سے آگے نہ بڑھ سکے۔ ۲۱

کیا مسلمانوں کے لیے یہ مقام عبرت نہیں کہ ۱۸۹۷ء میں بازل (سوئٹزرلینڈ) کے مقام پر پہلی صیہونی کانفرنس نے اپنے خفیہ اجلاسوں میں یہودیوں کی عزت و سربلندی کے لیے جو نقشہ پیش کیا تھا، اس پر خاموشی سے عمل ہوتا رہا یہاں تک کہ پچاس سالوں میں کاغذ کا یہ نقشہ زمین کا نقش بن گیا اور اس کا پھیلاؤ ایک حقیقت بنا جا رہا ہے۔ کیا مسلم ممالک کے زیرک اور 'عالی النسب' حکمران مسلمانوں کی عزت و افتخار کے لیے کوئی عملی نقشہ ترتیب دینے سے قاصر ہیں؟ الیس منہم رجل رشید!!

۹۔ جہاد بمعنی عمومی جدوجہد

قرآن مجید میں جہاد کا لفظ اتنی مرتبہ آیا ہے اور مجاہدین کا چار مرتبہ۔
'جہاد مقابلہ کی جدوجہد کا نام ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ سے ہر وہ کوشش مراد ہے جو اللہ کے دین کو پھیلانے کے لیے، اللہ کے کلمہ کو حید کو سربلند کرنے کے لیے، اللہ کے احکامات کو نافذ کرنے کے لیے اور فتنوں سے اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ کے لیے کی جائے۔

اس لفظ کا پہلا اطلاق قرآن کریم کے ذریعہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر ہوتا ہے خواہ اس میں قتال موجود نہ ہو۔ سورۃ الفرقان کی سورت ہے اور اس میں یہ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے:

﴿فَلَا تُطْعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِذْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا﴾ (الفرقان: ۵۲)

”پس آپ کافروں کا کہنا نہ مانیں اور قرآن کے ذریعہ ان سے پوری طاقت سے بڑا جہاد کریں۔“

چونکہ مکہ میں جہاد بمعنی قتال کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ اس لیے آنحضرت ﷺ کا کلی جہاد کتاب اللہ کی تبلیغ و منفذ سے عبارت تھا جسے یہاں جہاد کبیر کہا گیا ہے۔

بنفس نفیس جہاد (بمعنی قتال) میں شریک ہونے کا جہاں بھی ذکر ہے، وہاں سوائے ایک جگہ کے، مالی جہاد کا ذکر جہاد بالنفس پر مقدم ہے۔ متعلقہ آیات ملاحظہ ہوں:

﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرِ أُولَى الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ، فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً، وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا﴾

”اپنے مال اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے مومن اور بغیر عذر کے بیٹھ رہنے والے مومن برابر نہیں۔ اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والوں کو پیٹھ رہنے والوں پر اللہ تعالیٰ نے ایک درجہ فضیلت دے رکھی ہے اور یوں اللہ تعالیٰ نے خوبی اور اچھائی کا وعدہ دیا ہے لیکن مجاہدین کے بیٹھ رہنے والوں پر بہت بڑے اجر کی فضیلت دے رکھی ہے“ (النساء: ۹۵)

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾

”جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا“

﴿إِنْفَرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾

”نکل کھڑے ہو جاؤ ہلکے پھلکے ہو تو بھی اور بھاری بھر کم ہو تو بھی اور راہ رب میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کرو“

﴿لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ﴾

”اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان و یقین رکھنے والے تو مالی اور جانی جہاد سے رک رہنے کی کبھی تجھ سے اجازت طلب نہیں کریں گے.....“

﴿لَكِنَّ الرُّسُولَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ جَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ﴾ (التوبة: ۸۸)

”لیکن خود رسول اور ان کے ساتھ ایمان لینے والے اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں“

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي

سَبِيلِ اللَّهِ، أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ﴾ (الحجرات: ۱۵)

”مومن تو وہ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر (پکا) ایمان لائیں۔ پھر شک و شبہ نہ کریں اور اپنے مالوں سے اور

اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہیں (اپنے دعوائے ایمان میں یہی سچے اور راست گو ہیں۔“
 ﴿تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ﴾ (الصف: ۱۱)
 ”اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کرو۔“
 اس تقدیم میں یہ حکمتیں پوشیدہ ہیں:

۱۔ ہر معرکہ سے قبل اس کے لیے مناسب تیاری کی ضرورت ہے جس میں مال ایک بڑا کردار ادا کرتا ہے۔ اس لیے مالی ایثار کا مطالبہ سرفہرست رہتا ہے۔ غزوہ تبوک کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام سے سرمایہ فراہم کرنے ہی کی اپیل کی تھی ۲۲۔

۲۔ مال کی قربانی اپنی جان قربان کر دینے کے مقابلہ میں ثانوی حیثیت رکھتی ہے اور قاعدہ ہے کہ سب سے اونچی گھائی تک پہنچنے کے لیے چلی گھائیوں کو عبور کرنا پڑتا ہے۔ جو شخص مال کی قربانی میں کامیاب نہ ہو سکا وہ اس سے برتر امتحان میں کیسے کامیاب ہوگا۔

۳۔ جان کی قربانی کا مرحلہ صرف جہاد (یعنی قتال) کے موقع پر ہی آتا ہے جو ہر زمانہ میں میسر نہیں۔ اس کے برعکس مالی قربانی کا موقع ہر وقت موجود رہتا ہے اس لیے مسلمانوں کے لیے جہاد کا ایک دائمی راستہ کھلا رکھا گیا ہے۔
 آنحضرت ﷺ جہاں حضرت ابوبکر کی بہت سی حسنت کا ذکر کیا ہے وہاں یہ بھی ارشاد فرمایا: ”وَمَا نَفَعْنِي مَالٌ أُخِذَ قَطُّ مِمَّا نَفَعْنِي مَالٌ أَبُو بَكْرٍ“ ۲۳ مجھے کسی کے مال نے اتنا فائدہ نہیں پہنچایا جتنا ابوبکر کے مال نے۔

اسلام کے دفاع کے لیے زبان کا جہاد نص رسول سے ثابت ہے۔ بروایت انس بن مالک آپ ﷺ نے فرمایا:

”جَاهِدُوا الْمُشْرِكِينَ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَالسِّنْيَتِمْ“ ۲۴

”مشرکین سے جہاد کرو اپنے مال سے، اپنی جان سے اور اپنی زبانوں سے۔“

زبانی جہد میں بلاشبہ قلم بھی شامل ہے۔ حضرت حسان بن ثابتؓ کا مسجد نبوی میں کھڑے ہو کر مشرکین کی جھوکرنا اسی جہاد کا حصہ تھا جس کی آنحضرت ﷺ نے تحسین فرمائی۔

ملعون سلمان رشدی اور اس سے قبل رنگیلا رسول جیسی ہفوات کے رد میں علماء اسلام کے خطابات، مقالات اور کتب یقیناً اسی جہاد کی کڑیاں ہیں۔

قرآن کی وہ آیت جس میں نفس کا تذکرہ پہلے اور مال کا بعد میں سورہ توبہ کی یہ آیت ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَهُمُ الْجَنَّةُ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ، وَوَعْدًا عَلَيْهِ حَقٌّ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِنِعْمَتِ اللَّهِ الَّتِي بِآيَعَتُمْ بِهِ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو اس بات کے عوض خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی۔ وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں جس میں قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں۔ اس پر سچا وعدہ کیا گیا ہے تو رات میں اور انجیل میں اور قرآن میں اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو کون پورا کرنے والا ہے۔ تم لوگ اپنی اس بیع پر جس کا تم نے معاملہ ٹھہرایا ہے خوشی مناؤ اور یہ بڑی کامیابی ہے۔“ (التوبہ: ۱۱۱)

اس آیت میں نفس کے ذکر کو پہلے رکھنے میں یہ حکمت یہ ہے کہ یہاں اللہ اور بندے کے دوران ایک سودے کا ذکر ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو قتال فی سبیل اللہ کے عوض جنت کی پیشکش کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ سودا دو اطراف کے درمیان ہوتا ہے۔ مال تو خود ایک پارٹی کی حیثیت نہیں رکھتا کہ اس سے سودا کیا جائے۔ یہاں ایک طرف اللہ تعالیٰ ہیں اور دوسری طرف اہل اسلام بنفس نفیس ہیں، اس لیے نفس کا ذکر کرنا پہلے ضروری ہوا۔

۱۰۔ جہاد بمعنی قتال صنفی

دعوت الی اللہ کے نتیجے میں جس جماعت حق کا ظہور ہوتا ہے اور پھر اسے جب حکومت کی شکل میں خلافت نصیب ہوتی ہے، اس خلافت کی حدود کی حفاظت کرنا اور دشمن کی یلغار کے وقت اس کا دفاع کرنا مسلمان پر فرض ہو جاتا ہے۔ یہ چاہے فرض عین ہو جبکہ ہر بالغ اور مستطیع شخص کو امیر وقت کے لیے قتال کی طرف بلایا جائے یا فرض کفایہ ہو کہ امت کے جنگجو افراد کی ایک معقول تعداد دشمن کے مقابلہ کے لیے کافی ہو، دونوں صورتوں میں یہ جہاد قیامت تک قائم و دائم رہنے والا ہے۔

”الْجِهَادُ مَا ضَمِنَ اللَّهُ إِلَى أَنْ يِقَاتِلَ آخِرَ أُمَّتِي الدِّجَالِ، لَا يَبْطُلُهُ جُودُ جَائِرٍ وَلَا عَدْلُ عَادِلٍ“ ۲۵

”جب سے اللہ نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے، جہاد جاری رہے گا یہاں تک کہ میری امت کا آخری حصہ دجال سے لڑائی کرے گا، اس جہاد کو نہ کسی ظالم حکمران کا ظلم منسوخ کر سکتا ہے اور نہ کسی عادل حکمران کا انصاف ہی اسے منسوخ کر سکے گا۔“

بعض دفعہ کسی عظیم منکر (جیسے ایک طاغوتی اور ظالمانہ حکومت) کو ختم کرنے کے لیے بھی جہاد اپنی سرحدوں کی حفاظت تک محدود نہیں رہتا بلکہ اس کا دائرہ وسیع ہوتا چلا جاتا ہے۔ دعوت اسلام کے پھیلنے میں حائل رکاوٹوں کا مٹانا جسے قرآن کی زبان میں فتنہ کہا جاتا ہے بھی اسی جہاد کا ایک حصہ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً﴾

”اے ایمان لانے والو! ان کفار سے لڑو جو تمہارے آس پاس ہیں اور ان کو تمہارے اندر سختی پانا چاہیے۔“

(التوبہ: ۱۲۳)

بے کس اور مظلوم مسلمانوں کی مدد کے لیے لڑنا بھی واجب ہے:

﴿وَمَا لَكُمْ لَا تَقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا﴾ (النساء: ۷۵)

”بھلا کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان ناتواں مردوں، عورتوں اور ننھے بچوں کے چھٹکارے کے لیے جہاد نہ کرو؟ جو یوں دعا کریں مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ان ظالموں کی ہستی سے ہمیں نجات دے اور ہمارے لیے خود اپنے پاس سے حمایتی مقرر کر دے اور ہمارے لیے خاص اپنے پاس سے مددگار بنا۔“

﴿وَإِنْ اسْتَنْصَرُواكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلَى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ﴾

”اور اگر وہ تم سے دین کے بارے میں مدد طلب کریں تو تم پر مدد کرنا فرض ہے، سوائے ان لوگوں کے کہ تم اور ان میں عہد و پیمان ہے۔“ (الانفال: ۷۲)

فتح مکہ کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمانوں کے حلیف بنی خزاعہ نے، قریش کے حلیف بنو مکہ کی چیرہ دستیوں اور معاہدہ صلح حدیبیہ کی خلاف ورزیوں کے باعث آنحضرت ﷺ سے دادرسی چاہی تھی۔

واضح رہے کہ ملک کا دفاع کرنا تو مسلم اور غیر مسلم سب جانتے ہیں۔ اس لیے دفاعی جہاد کے بارے میں تو سرے سے کوئی غلط فہمی ہوئی ہی نہیں چاہیے، البتہ ایک مسلم حکومت اتنی طاقتور ہونی چاہیے کہ مظلوم مسلمانوں پر ظلم، تعدی، جبر و استبداد ہو تاکہ کہتے ہوئے ان کی مدد کو آ سکے۔ اس زمانہ میں فلسطین، کشمیر، بوسنیا اور چیچنیا کی مثالیں آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہیں۔

کیا یہ مقام افسوس نہیں کہ آج کل ایک سپر پاور صرف اقتصادی فوائد، سیاسی و عسکری برتری حاصل کرنے اور صہیونی ریاست کو تحفظ دینے کے لیے ہزاروں میل دور سے مسلم ممالک پر یکے بعد دیگرے بخون مار رہی ہے اور عالم اسلام تک تک دیدم، دم نہ کشیدم کی تصویر بنا ہوا ہے۔ ہمارے حکمران اور بہت سے اہل علم معذرت خواہانہ انداز اپناتے ہوئے صرف یہ ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں کہ اسلام صرف صلح و آشتی کا مذہب ہے، اسے لڑائی بھڑائی سے کیا سرکار!!

یقیناً اسلام اصلاً امن، صلح اور امان لے کر آیا ہے، لیکن اگر عصر حاضر کے جابر حکمران انصاف کی جگہ ظلم کا ساتھ دیں، نہتے لوگوں پر بم برسائیں اور ان کی بستیاں جلا کر خاک کر دیں، ایک جگہ کے باشندوں سے ان کا وطن چھین کر دوسرے لوگوں کو بخش دیں، شریعت کے نفاذ میں تعطل پیدا کرنے کے لیے طاقت اور دباؤ سے کام لیں، بے گناہ اشخاص کو بغیر کسی عدالتی فیصلہ/حاکمہ کے اذیت گاہوں میں قید کر دیں تو اسلام کے نام لیواؤں کا فرض ہے کہ وہ اسلام کے تصور جہاد و قتال کو بھی نظریاتی اور عملی دونوں طرح لوگوں پر واضح کر دیں۔ اس ضمن میں سیرت نبویہ سے ہمیں یہ ہدایات ملتی ہیں:

- ۱- جہاد کے لیے ہمیشہ اپنے آپ کو تیار رکھا جائے جس کا تذکرہ سورۃ الانفال کے ضمن میں آچکا ہے۔
- ۲- جہاد کے لیے اپنے امیر کا ساتھ دیا جائے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے بروایت ابو ہریرہؓ ارشاد فرمایا: الجہاد واجب علیکم مع کل امیر برا کان أو فاجراً“ ۲۶

”جہاد تمہارے اوپر واجب ہے، ہر امیر کے ساتھ، چاہے وہ نیک ہو یا گناہگار“

اور اس سے یہ اصولی بات بھی طے ہوگئی کہ ایسے امیر کا انتخاب کیا جائے جو جہاد کا قائل ہو، اور اگر وہ سرے سے جہاد کا قائل ہی نہ ہو تو وہ جہاد کی طرف کیسے بلائے گا اور کیوں بلائے گا؟

۳- دشمن کے مقابلہ کے وقت دعا مومن کا ہتھیار ہے، لیکن یہ دعا اس وقت پرتاثر ہوگی جب مجاہدین واقعی جہاد کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے۔

رسول اللہ ﷺ بدر کے میدان میں اپنے تین سوتیرہ جان نثاروں کو لے آنے کے بعد ساری رات اللہ تعالیٰ سے فتح و نصرت کی دعائیں کرتے رہے۔ آپ نے یہاں تک کہہ دیا کہ

”اللہمَّ اَنْجِزْ لِي مَا وَعَدْتَنِي، اللہم اَتْنِي مَا وَعَدْتَنِي، اللہم اِنْ تَهْلِكْ هَذِهِ الْعَصَابَةُ مِنْ أَهْلِ الْإِسْلَامِ لَا تَعْبُدُ فِي الْأَرْضِ“ ۲۷

”اے اللہ جو وعدہ کیا ہے پورا کر، اے اللہ! مجھے وہ دے جس کا تو نے وعدہ کیا ہے، اے اللہ اگر اہل اسلام کی یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو زمین میں پھر تیری عبادت نہ ہوگی۔“

البتہ اگر کہیں جہاد جاری ہو تو اس میں مال کے ساتھ بدرجہ اولیٰ اور دعا کے ساتھ بدرجہ اتم شامل رہنا چاہیے۔ نوازل کے وقت قنوت نازلہ کی پابندی اسی ذیل میں آتی ہے۔

ایک مشہور محدث سیحی بن معاذ الرازی نے ایک دن، جہاد، امر بالمعروف والنہی عن المنکر کے بارے میں وعظ کیا تو ایک عورت نے ان سے کہا: یہ ایسا فرض ہے جو ہم عورتوں سے ساقط کر دیا گیا ہے“ انہوں نے کہا: ”مان لیا کہ تم سے ہاتھ اور زبان کا ہتھیار ساقط کر دیا گیا، لیکن دل کا ہتھیار تو ساقط نہیں کیا گیا۔“ تو اس عورت نے کہا: ”تم نے صحیح کہا، اللہ تمہیں جزائے خیر دے۔“ ۲۸

اور آخر میں اللہ تعالیٰ کی اس سنت ثابتہ کا تذکرہ مناسب ہوگا جس سے مسلمان کی عارضی ہزیمت کی حکمت عیاں ہوتی ہے۔

پہلے اس بات کا ذکر آچکا ہے کہ مصائب کا نزول چاہے وہ آسمانی حوادث ہوں یا جنگ و جدال کی صورت میں جانی و مالی نقصان، مسلمانوں کے لیے اپنے گناہوں کے پاداش میں ہوتے ہیں، لیکن اس نقصان اور ہزیمت کے وقت اہل ایمان اور اہل کفر و نفاق کے درمیان تمیز بھی ہو جاتی ہے۔ شکست کے اسباب میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے اوامر کی نافرمانی، اپنوں کی بے وفائی اور غداری، جنگی چالوں میں بے بصیرتی، تھوڑی، آلات حرب میں کمی وغیرہ کئی عوامل کا دخل ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ صابریں اور منافقین میں بھی امتیاز قائم ہو جاتا ہے تاکہ آئندہ کا تدارک کیا جاسکے اور صفوں کو مضبوط بنایا جاسکے۔

غزوہ احد کے موقع پر عارضی ہزیمت کے ضمن میں اس سنت کا بیان ہوا ہے:

﴿إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِثْلُهُ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ، وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ﴾

”اگر تم زخمی ہوئے ہو تو تمہارے مخالف لوگ بھی تو ایسے ہی زخمی ہو چکے ہیں۔ ہم ان دنوں کو لوگوں کے درمیان ادا لیتے بدلتے رہتے ہیں۔ (شکست احد) اس لیے تھی کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ظاہر کر دے اور تم میں سے بعض کو شہادت کا درجہ عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔“ (آل عمران: ۱۶۰)

﴿وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ﴾ (آل عمران: ۱۴۱)

”(یہ مجھے بھی تھی) کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو بالکل الگ کر دے اور کافروں کو مٹا دے۔“

﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخِلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ﴾ (آل

عمران: ۱۴۲)

”کیا تم یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے، حالانکہ اب تک اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ تم میں جہاد کرنے والے کون ہیں اور صبر کرنے والے کون ہیں۔“

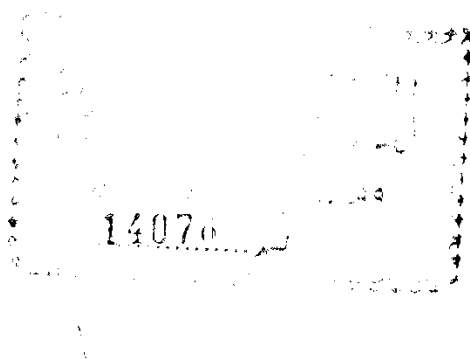
غزوہٴ احد کی اس عارضی ہزیمت سے لے کر اگر ایک لمبی جست لگائی جائے اور پچھلی دو صدیوں کے ان معرکوں کا جائزہ لیا جائے جس میں ایک اچھی بھلی مسلمان قیادت کے ہوتے ہوئے بھی ہزیمت کے چر کے اٹھانا پڑے، جیسے ٹیپو سلطان اور معرکہ سرنگاپٹم (۱۷۹۹ء) سراج الدولہ اور جنگِ پلاسی (۱۷۵۷ء) شہیدین کا معرکہ بالاکوٹ (۱۸۳۶ء)، متحدہ پاکستان کے دور میں سقوط ڈھاکہ (۱۹۷۱ء) سقوط بیت المقدس (۱۹۶۷ء) تو ان میں مذکورہ بالا عوامل میں سے کسی ایک کا یا ایک سے زائد کا دخل دکھائی دے گا۔

عقل مندی کا تقاضہ ہے کہ امت مسلمہ منفی عوامل کا سد باب کرے اور ان مثبت عوامل کو اپنائے جو اس کے لیے عزت و افتخار کا باعث ہو سکتے ہیں۔

اور آخر میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ اگر اس تحریر کا راقم کہیں بھی لغزش کا شکار ہوا ہو تو اسے اپنے عفو و درگزر سے ڈھانپ لے اور حق و سچائی کی بات کی ہے تو اسے قبولیت سے نوازے۔ و صلی اللہ تعالیٰ علی نبینا محمد و علی آلہ و صحبہ أجمعین۔

- ۱۔ بروایت عائشہؓ: احمد، مسلم، ابوداؤد
- ۲۔ بروایت نعمان بن بشیرؓ: احمد، بخاری، مسلم، ترمذی
- ۳۔ بروایت ثوبانؓ: ابوداؤد
- ۴۔ بروایت ثوبانؓ: مسلم، ترمذی، ابوداؤد
- ۵۔ اضافات بروایت ثوبانؓ: احمد، ابن ماجہ، حاکم
- ۶۔ بروایت ابی بن کعبؓ: احمد، ابن حبان، حاکم، بیہقی
- ۷۔ ابن کثیر: البدایہ والنہایہ ۴: ۳۴۵
- ۸۔ بروایت ابوالمامہ: احمد، ابوداؤد
- ۹۔ بروایت معاذ بن جبلؓ: عقیلی، ابن عدی، طبرانی، البیہقی
- ۱۰۔ بروایت عمر بن الخطابؓ: مالک، احمد، بخاری و مسلم، ابوداؤد، ترمذی
- ۱۱۔ بروایت عائشہؓ: احمد، بخاری، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ
- ۱۲۔ ابن کثیر: البدایہ والنہایہ ۵: ۴۱
- ۱۳۔ بروایت علیؓ: مسلم، نسائی
- ۱۴۔ عبدالرحمن ناصر سعدی: تفسیر بعنوان تیسیر الکریم الرحمن، ص ۱۴۳۱
- ۱۵۔ مسلم، ترمذی، ابوداؤد
- ۱۶۔ بروایت ابو ہریرہؓ: بخاری، ابوداؤد، نسائی
- ۱۷۔ ابن کثیر: البدایہ والنہایہ ۴: ۲۸۱
- ۱۸۔ ابن کثیر: التفسیر ۲: ۷۴
- ۱۹۔ بروایت ثوبانؓ: مسلم، ترمذی، ابن ماجہ
- ۲۰۔ بروایت عمران بن حصینؓ: احمد، ابوداؤد، حاکم
- ۲۱۔ انگریزی جریدہ Impact، عدد ۱۲، جلد ۳، نومبر دسمبر ۲۰۰۳
- ۲۲۔ بروایت ابوموسیٰ الاشعریؓ: بخاری، مسلم

- ۲۳ بروایت ابو ہریرہؓ: ترمذی
- ۲۴ ابو داؤد، نسائی
- ۲۵ بروایت انسؓ: ابو داؤد
- ۲۶ بروایت ابو ہریرہؓ: ابو داؤد۔ یہ روایت ضعیف ہے، لیکن بچھلی حدیث (بروایت انس) اس کی شاہد ہے۔
- ۲۷ مسلم، ترمذی
- ۲۸ مجلہ البیان (لندن)۔ سال ۲۰۰۳ء کے اعداد



www.KitaboSunnat.com

